"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

جولائی اگست ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ خالد ربوہ

وفا، ظہور ۱۳۶۸ ہش

جولائی، اگست ۱۹۸۹ء

جلد ۳۶ ― شمارہ ۹-۱۰

قیمت ماہانہ تین روپے ؛ قیمت سالانہ تیس ۳۰ روپے

ایڈیٹر

خالد مسعود

اس شمارہ میں

پبلشر: مبارک احمد خالد ؛ پرنٹر: قاضی منیر احمد ؛ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد، دارالصدر جنوبی، ربوہ

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ○ لا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○

(اور کہا) اے میرے رب! مجھے نیکوکار اولاد بخش۔ تب ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ تیز چلنے کے قابل ہو گیا تو اُس نے کہا اے میرے بیٹے! میں نے تجھے خواب میں دیکھا ہے کہ (گویا) میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس تُو فیصلہ کر کہ اس میں تیری کیا رائے ہے۔ (اس وقت بیٹے نے) کہا اے میرے باپ! جو کچھ تجھے خدا کہتا ہے وہی کر تُو انشاء اللہ مجھے اپنے ایمان پر قائم رہنے والا دیکھے گا۔ پھر جب وہ دونوں فرمانبرداری پر آمادہ ہو گئے اور اُس (یعنی باپ) نے اُس (یعنی رضامندی ظاہر کرنے والے بیٹے) کو ماتھے کے بل گرا لیا۔ اور ہم نے اُس (یعنی ابراہیم) کو پُکار کر کہا، اے ابراہیم! تُو اپنی رؤیا پوری کر چکا، ہم اِسی طرح محسنوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک کھُلی کھُلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے اُس (یعنی اسمٰعیل) کا فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعہ سے دے دیا۔ اور بعد میں آنے والی قوموں میں اس کا نیک ذکر باقی رکھا۔

اس خواب کے اصل معنے یہ تھے کہ تجھے مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر آنے والا ہوں۔ جو ایک قسم کی موت ہے اور یہ تعبیر لفظاً پوری ہوئی گو چھُری سے ذبح کرنا لفظاً پورا نہ ہُوا۔......

خدا تعالیٰ نے الہام کیا کہ ظاہری قتل کے مقابلہ میں جنگل میں رہ کر ہر وقت کی موت قبول کرنا بہتر فدیہ ہے۔ تم اور تمہارا بیٹا اس فدیہ کو قبول کرو تو خدا تعالیٰ کے مقرب ہو جاؤ گے اور سمجھ لیا جائے گا کہ تم نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے اور تمہارے بیٹے نے اپنی خوشی سے ذبح ہونا منظور کر لیا ہے۔

(تفسیر صغیر، سورہ الصّٰفّٰت)

اگر ہم اپنی اولاد کو صحیح معنوں میں قربان کریں

تو

ہماری اولاد اتنی بڑھے گی جتنے آسمان کے ستارے

خطبہ عید الاضحی حضرت فضل عمر نور اللہ مرقدہ، فرمودہ ۲ / جولائی ۱۹۲۵ء

"آج کا دن ہمارے لیئے جہاں اور بہت سے سبق پیش کرتا ہے وہاں اس دن آئندہ نسلوں کے متعلق بھی عظیم الشان سبق ہے۔ اگر اس عید کے سبق کو ہماری جماعت یا کوئی جماعت بھی پوری طرح یاد رکھے تو وہ کبھی تباہ اور برباد نہیں ہوسکتی۔ درحقیقت تباہی کا موجب یہ امر ہوتا ہے کہ کوئی شخص یا کوئی جماعت اپنی عزت کو، اپنے وقار کو، اپنی روحانیت کو قائم رکھنے کے لیئے کوئی اپنا قائم مقام نہیں چھوڑتی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں دُنیا کی ہر ایک چیز تباہ ہو رہی ہے اور اگر کسی جنس کے افراد اپنی تباہی کے بعد کوئی اپنا قائم مقام نہ چھوڑیں تو اس جنس کا دُنیا سے بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے۔

ہر ایک چیز ایک حد تک پہنچ کر پھر اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس کا قیام اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے قائم مقام چھوڑ کر اپنی جنس کو قائم رکھے۔ انسان مرتے ہیں۔ اگر وہ اپنی اولاد کو اپنا قائم مقام نہ چھوڑ جائیں تو آئندہ انسانی نسل کا دُنیا سے خاتمہ ہو جائے۔ درخت اُگتے ہیں، پھل لاتے ہیں، پھر سُوکھ جاتے ہیں۔ اگر نئے درخت اُن کی جگہ نہ لیں اور ان کے قائم مقام نہ بنیں تو ان درختوں کا بالکل وجود ہی مٹ جائے۔ ....

کسی استاد کے مرنے پر اس کے لائق اور ہوشیار شاگرد کی موجودگی میں کہا جاتا ہے کہ جس استاد کا ایسا لائق اور ہوشیار شاگرد موجود ہو وہ نہیں مرا۔ اسی طرح جو جماعت دین اور روحانیت کی حامل ہو اگر اپنے پیچھے ایسی نسلیں چھوڑ جائے۔ جو دین کی اور رُوحانیت کی حامل ہوں تو وہ جماعت بھی زندہ جماعت ہوتی ہے اور ایسی جماعت یا قوم کبھی نہیں مرتی۔

پس اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور احمدیت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف یہی طریق ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو عید کے اس دن سے جو سبق حاصل ہوتا ہے وہ یاد کرائیں۔ اس عید سے جو

ہمیں سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ عید ہمیں ایک پُرانا واقعہ یاد دلاتی ہے جو ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ وہ واقعہ ہمیں یہ سبق سکھاتا ہے کہ ہماری جماعت کس طرح قائم رہ سکتی ہے اور ہماری آئندہ نسلیں کس طرح ترقی کر سکتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے رؤیا اور الہام میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا اور جُدائی کی چُھری اس کی گردن پر پھیر دی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اُنہوں نے اپنی بیوی اور بچے کو ایسے جنگل بیابان میں چھوڑ دیا جہاں نہ غلہ تھا نہ پانی۔ نہ کوئی بازار تھا نہ آبادی کہ کسی آدمی سے مانگ کر ہی کچھ کھانے پینے کو میسّر آ سکتا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ سے الہام پاکر اپنے بچے اور اس کی ماں کو مکّہ مکرمہ کی زمین میں جو اُس وقت بالکل غیر آباد وادی تھی صرف ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجوروں کی دے کر چھوڑ آئے۔ جب آپ واپس آنے لگے تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا آپ کہاں چلے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام وفورِ غم کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت ہاجرہ نے پھر دریافت کیا۔ اس جنگل میں آپ ہمیں کہاں چھوڑے چلے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام زبان سے پھر بھی کچھ جواب نہ دے سکے۔ آخر ان کے متواتر پوچھنے پر اشارہ سے انہوں نے یہ جواب دیا کہ خدا کے حکم سے مَیں تم کو یہاں چھوڑ چلا ہوں۔ تب حضرت ہاجرہ نے کہا کہ اگر خدا کے حکم سے آپ ہمیں یہاں چھوڑے چلے ہیں تو پھر ہمیں آپ کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ آپ بے شک جائیں خدا خود ہماری حفاظت کرے گا اور وہ ہم کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اور تسلّی سے واپس آ گئیں۔ اور اپنے بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس جو اُس وقت چھ سات برس کی عمر سے زیادہ کے نہ تھے بیٹھ گئیں۔ اس وقت اگر وہ چاہتیں تو کسی آبادی کی طرف رُخ کر لیتیں۔ مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم کا احترام کیا اور اُسی کے توکّل اور بھروسہ پر اس جنگل بیابان کی رہائش منظور کر لی جہاں نہ کوئی آبادی تھی نہ بازار، نہ کوئی کنواں تھا نہ تالاب۔ آخر پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی کیا ہوتی ہے۔ تھوڑے عرصہ میں پانی بھی ختم ہو گیا اور کھجوریں بھی ختم ہو گئیں۔ حضرت ہاجرہ کو بھی تکلیف تھی مگر بچے کی تکلیف کو دیکھ کر وہ بہت بے قرار ہو گئیں اور صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑنا اور اُوپر چڑھ کر دیکھنا شروع کیا تا شاید کوئی آتا جاتا قافلہ ہی نظر آ جائے جس سے پانی لے کر بچے کو پلائیں اور خود بھی پئیں۔ جب وہ صفا پر یا مروہ پر چڑھتیں تو ساتھ ہی چلّا کر ہر دفعہ یہ بھی کہتیں کہ کوئی خدا کا بندہ ہے جو ہمیں پانی دے؟ اور ساتھ ہی بچے کی حالت کو دیکھ کر اَور بھی پریشان ہو جاتیں۔ جب اُن کی گھبراہٹ انتہا کو پہنچ گئی تو خدا کے فرشتے نے ان کو بشارت دی کہ اے ہاجرہ! گھبرا نہیں۔ جا تیرے بچے کا سامان خدا نے کر دیا ہے۔ چنانچہ جب وہ بچے کے پاس آئیں تو دیکھا کہ خدا نے وہاں پانی کا چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ جو آج تک قائم ہے

اور زمزم کہلاتا ہے۔ انہوں نے بچے کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔ آہستہ آہستہ وہاں آبادی ہوگئی۔ کوئی قافلے والے جو وہاں سے گزرے تو انہوں نے تجارتی ترقی کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ اس چشمے پر پڑاؤ قائم کیا جائے جہاں قافلے آکر ٹھہرا کریں۔ چنانچہ اسی خیال سے وہ اپنے کچھ آدمی اس چشمہ پر چھوڑ گئے کہ اس سے ہماری تجارت میں ترقی ہوگی۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے نتیجہ میں وہاں بہت بڑی آبادی ہوگئی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اس تعلق اور محبت کی کچھ پرواہ نہ کی جو اُن کو اپنے بچے سے تھی۔ کیونکہ طبعی طور پر بڑھاپے میں جا کر جو اولاد ہوتی ہے اُس سے انسان کو بہت محبت ہوتی ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑھاپے میں آپ کے ہاں پیدا ہوئے تھے اس لیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ان کی نہایت گہری اور شدید محبت تھی مگر خدا کے لیئے انہوں نے اس کو قربان کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو الہام ہوُا کہ اے ابراہیم! آسمان کی طرف دیکھ کیا تو آسمان کے ان ستاروں کو گن سکتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ میری طاقت سے باہر ہے کہ مَیں آسمان کے ستاروں کو گن سکوں۔ تب خدا نے فرمایا۔ اے ابراہیم! مَیں نے تیری قربانی کو دیکھا اب مَیں تیری اس قربانی کے بدلے تیری اولاد کو اس قدر بڑھاؤں گا کہ جس طرح آسمان کے ستاروں کو کوئی گن نہیں سکتا اسی طرح تیری اولاد کو بھی کوئی گن نہیں سکے گا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں اس وعدہ الٰہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اتنی کثرت حاصل ہوئی ہے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کونسی قوم ان کی اولاد میں سے نہیں۔ تمام دُنیا کے لوگوں میں ان کا خون مل گیا ہے۔.......

زرتشتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہودیوں کا تو دعویٰ ہی ہے کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ عیسائی بھی اُنہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور مسلمان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو انکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی اس قربانی کے بدلے اُن کی اولاد کو تعداد کے لحاظ سے اور عزت کے لحاظ سے اس قدر بڑھایا کہ تمام بڑے بڑے مذاہب اُنہی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور ان کی بہت بڑی عزت کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی اپنی اولاد کو بڑھانا چاہے تو وہ بچپن میں اپنی اولاد کو اسی طرح قربان کرے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو قربان کیا اور صرف انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہی قربانی نہیں کی بلکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بھی قربانی کی جن کی ایسی تربیت کی کہ بڑے ہو کر وہ بھی خدا تعالیٰ کے نبی ہوئے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جتنا بڑا کوئی انسان بنتا ہے اتنی ہی زیادہ اُسے اس مرتبہ تک پہنچنے کے لیئے قربانی کرنی پڑتی ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں

بیٹوں کے متعلق قربانی کی۔ خدا تعالیٰ نے اس قربانی کے بدلے اُن کی اولاد کو بے نظیر ترقی دی۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد ترقی کرے تو تم بھی اپنی اولاد کو قربان کرو۔ اس سے ایسی محبت نہ کرو جو تم کو اُن کی اصلاح اور علوم کے سکھانے سے باز رکھے اور تم اُن کی نگرانی چھوڑ دو۔ اگر تمہیں یہ خواہش ہے کہ تمہاری نسل بڑھے اور ترقی کرے تو بجائے اُن کے آرام اور آسائش کی فکر کے اُن کی روحانی تربیت کرنی چاہیئے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد بھی اسی طرح ترقی کرے اور آسمان کے ستاروں کی طرح گنی نہ جائے تو اُس کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو بچپن میں آوارہ، آرام طلب، کاہل اور سُست نہ بنائیں۔ بلکہ اُن کے اعمال اور اخلاق کی پوری پوری نگرانی کریں۔

خیال کرو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بچپن کی زندگی کس طرح گزری اور انہوں نے کس قدر مشقّت اٹھائی۔ انہیں تو خوراک حاصل کرنے کے لیئے بھی جنگلوں میں پھرنا اور شکار کرکے پیٹ پالنا پڑتا تھا۔ شکار بندھے ہوئے جانوروں کا تو کیا نہیں جاتا کہ گئے اور پکڑ کر لے آئے۔ آجکل جبکہ بندوقیں ہیں بہت دفعہ لوگ شکار کو جاتے ہیں اور خالی ہاتھ واپس آجاتے ہیں لیکن اُس زمانہ میں تو تیر اور نیزے کے ساتھ شکار کیا جاتا تھا۔ اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ کتنی دفعہ اُن کو خالی ہاتھ واپس آنا پڑتا ہوگا اور کتنے فاقے کاٹتے ہوں گے۔ مگر یہ سب کچھ انہوں نے خدا کے لیئے برداشت کیا اور خدا نے اُن کو نبوت کے مرتبے پر پہنچایا۔ انہی کی قربانیوں کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کی نسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اولوالعزم رسول پیدا ہوئے۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کتنی مشقت اُٹھائی۔ ابھی آپؐ ماں کے پیٹ میں ہی تھے، آپؐ کے والد فوت ہو گئے۔ پھر ابھی اڑھائی سال کے تھے کہ والدہ کا سایہ بھی آپؐ کے سر سے اُٹھ گیا پھر دادا پرورش کرنے لگے۔ لیکن ابھی آپؐ سات ہی برس کے تھے کہ وہ بھی رحلت کر گئے۔ پھر چچا آپؐ کے متکفل ہوئے۔ غرض آپؐ کی یہ زندگی آرام سے نہیں گزری قسم قسم کی تکلیفوں اور مشقتوں میں سے آپؐ کا گزر ہوتا رہا۔ تاریخ میں لکھا ہے آپؐ کی چچی جس وقت بچوں میں کوئی چیز تقسیم کرتے لگتی تو سب بچے اُس کے گرد جمع ہو جاتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم الگ کونے میں خاموش بیٹھے رہتے۔ جب سب بچے لے چکتے تو پھر وہ اُن کو بھی حصّہ دیتیں۔ گو وہ محبّت سے آپؐ کی پرورش کرتی تھیں اور آپؐ کو عزیز رکھتی تھیں مگر جو خوشی بچّے کو اپنے گھر میں ہو سکتی ہے وہ دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو تعلق بچے کو اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے اور جو ناز وہ اُن پر کرتا ہے خواہ دوسرا کتنی بھی محبّت کرے بچہ اس سے نہیں کر سکتا۔ بے شک یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنے وقار کی وجہ سے خاموش بیٹھے رہتے تھے مگر یہ بات بھی تو ہے کہ آپؐ اس بات کو بھی طبعاً محسوس کرتے تھے کہ اُن کا رشتہ وہ رشتہ نہیں جو ماں باپ کا ہوتا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی کو بھی خدا تعالیٰ نے بامشقت بنانے کیلئے

اِس قسم کے سامان پیدا کر دیئے جن میں سے آپؑ کو گزرنا پڑا۔.....

مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ اور اِس عید سے سبق سیکھے۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ سُکھ حاصل ہو اور آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کی عیدیں ختم نہ ہوں تو آپ اپنے بچّوں کو قربان کریں اور ان کو دنیا کی ہر قسم کی مشقّت برداشت کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ وہ دین اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیئے کسی تکلیف اور مشقّت سے خوف نہ کھائیں۔ اگر اس عید سے آپ لوگ یہ سبق سیکھ لیں تو آپ کے مرنے کے بعد بھی آپ کی عیدیں ختم نہ ہوں گی۔

مجھے افسوس کے ساتھ اِس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ اِس معاملہ میں ہماری آئندہ نسل میں بہت بڑی کمزوری پائی جاتی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ بعض افراد کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوُا ہے بچّوں کی بڑے ہو کر خود بخود اصلاح ہو جائے گی۔ اُن کا بچّہ اگر کوئی غلطی کرتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر بچّہ ہے بڑا ہو کر سمجھ جائے گا۔ یہ ایک ایسا ناقص اور پاجی خیال ہے کہ اِس سے بڑھ کر اَور کوئی غلط خیال نہیں ہو سکتا اور پھر یہ خیال اُن کے دل میں ایسی جڑھ پکڑ گیا ہے کہ نکلنے میں نہیں آتا۔ مَیں پوچھتا ہوں کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر ہمیں اپنی اولاد پیاری ہو سکتی ہے؟ آپؐ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اور یہ ایک طبعی امر ہے کہ جب کسی کی اپنی نرینہ اولاد نہ ہو تو اُس کو اپنے نواسوں سے بہت محبّت ہوتی ہے پس ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیئے طبعاً آپؐ کو اپنے نواسے بہت پیارے تھے۔ دوسرے اس لیئے بھی کہ وہ حضرت فاطمہ رضؓ کے بطن سے تھے جو آپؐ کو بہت پیاری تھیں۔ پھر اس لیئے بھی کہ وہ حضرت علی رضؓ کے بچّے تھے جو آپؐ کو بہت عزیز تھے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن کے زمانہ میں جبکہ قریبی سے قریبی رشتہ داروں نے بھی آپؐ کا ساتھ دینے کی جرأت نہ کی آپؐ کا ساتھ دیا تھا اور کیا بلحاظ اِس کے کہ حضرت علی رضؓ کے والد ابوطالب نے آپؐ سے عمدہ سلوک کیا تھا۔ .... تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو محض اس لیئے ہی اپنے نواسوں سے محبّت نہ تھی کہ وہ آپؐ کے نواسے تھے بلکہ اس لیئے بھی آپؐ کو اُن سے بہت زیادہ محبّت تھی کہ وہ حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ کے بیٹے تھے۔

مگر باوجود اس محبّت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ خیال نہ فرمایا کہ انہیں بچپن میں آداب سکھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ جب بڑے ہوں گے تو خود ان کی اصلاح ہو جائے گی بلکہ بچپن میں اس بات کا خیال رکھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؐ کے پاس صدقے کی کچھ کھجوریں آئیں۔ اُن میں سے ایک کھجور امام حسین رضؓ نے اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لی۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر خاموشی اختیار نہ کی اور صرف اتنا ہی نہ کیا کہ کھجور اُن کے مُنہ سے نکلوا دی بلکہ اُن کے مُنہ میں انگلی ڈال کر کھجور کے چھوٹے چھوٹے ذرات بھی نکال دیئے۔

مَیں سمجھتا ہوں آج اگر کوئی شخص ایسا معاملہ اپنے بچّے سے کرے تو کئی لوگ ہوں گے جو کہہ دیں گے۔ جی بچّہ

تھا، ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو کیا حرج ہو گیا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نواسے کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور کے ذرے نکالے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؓ روتے اور ضد کرتے ہوں گے مگر آپؐ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے اُن کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور کے ذرات تک نکال ڈالے اور یہ تھپڑ مارنے سے کم نہیں ہے۔ پھر اُن کی اسی عمر کا واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آگے سے کھانا نہیں کھا رہے تھے جس پر آپؐ نے فرمایا۔ اپنے آگے سے لو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ کُلْ بِيَمِيْنِكَ وَمِمَّا يَلِيْكَ۔ یہ اڑھائی برس کی تربیت کا واقعہ ہے۔ جس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ کس عمر سے بچے کی تربیت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اڑھائی برس کی عمر میں اپنے نواسے کی تربیت کی ہے اور اس کی حرکات کی نگرانی کی ہے تو کیا ہمارے نرالے بچے ہیں کہ ان کی نگرانی نہ کی جائے اور یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ بچہ ہے، ناسمجھ ہے، بڑا ہو کر سمجھ جائے گا۔ اگر یہ عمر سمجھنے کی نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے نواسے کے متعلق ایسا ہی کہہ دیتے۔ مگر آپؐ نے اس کو ٹوکا اور اس کی حرکت کو نظر انداز نہیں کیا۔

یہ کہہ دینے کے (کہ بچہ بڑا ہو کر خود سمجھ جائے گا) یہ معنے ہیں کہ اس بہانہ سے ہم اپنی اولاد کی تربیت اور اس کے اخلاق کی نگرانی نہیں کرنا چاہتے۔ اور اس بات کو اپنی بے جا محبت کی وجہ سے اس کیلئے تکلیف دہ خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی کوئی قوم بھی اگر اپنی اولاد کی تربیت اور اخلاق کی درستی کا خیال نہیں رکھتی تو وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یورپ کے لوگوں نے اس گُر کو خوب سمجھا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر ہم اولاد کی تربیت اور اخلاق کی نگرانی نہ کریں گے تو ہماری قومی زندگی اور قومی ترقی بحال نہیں رہ سکتی۔ ان کے چھوٹے بچے ماؤں کے ساتھ گرجوں میں جاتے ہیں لیکن کیا مجال کہ وہاں اونچی آواز نکالیں۔ عبادت گاہوں کا ایسا احترام اُن کے دلوں میں بٹھایا ہوتا ہے کہ وہ ذرا شور و غل نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی بچہ شور کرے تو ماں باپ فوراً اُسے وہاں سے لے جاتے اور اس طرح تنبیہہ کرتے ہیں کہ پھر وہ شور نہ کرے۔ مگر یہاں کئی لوگ ہیں جو بچوں کو "بیت" میں لے آتے ہیں اور بچے دورانِ نماز شور مچاتے رہتے ہیں۔ بیت مبارک میں تو بچوں کو لانے سے میں نے روکا ہوا ہے دار الفضل کی بیت میں جب ایسے لوگوں کو منع کیا گیا تو انہوں نے بُرا منایا اور کہہ دیا کہ وہ بچے ہیں بڑے ہو کر خود سمجھ جائیں گے۔ مگر یہ تربیتِ اولاد کے لئے نہایت مضر بات ہے۔۔۔۔۔۔۔

ہمارے ہاں معمولی اجتماع میں بھی ایک شور برپا ہوتا ہے۔ آج ہی دیکھ لو اس اجتماع کے موقع پر کس قدر شور ہو رہا ہے۔ ادھر میرا خطبہ ہو رہا ہے اُدھر ان بچوں کے خطبے ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے ماں باپ بھی یہاں موجود ہیں مگر ان کو اس بات کا کوئی خیال نہیں۔ تو یہ تربیت میں غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ خطبہ سے پہلے مَیں نے کہا بھی تھا کہ جو مائیں اپنے بچوں کو چپ نہیں کرا سکتیں وہ اپنے بچوں

کو لے کر چلی جائیں تا دوسرے لوگ آرام سے خطبہ سُن سکیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مساجد میں بچوں کو نماز کے لیئے لے جاؤ تو پیچھے کھڑا کرو۔ مگر بعض ماں باپ خود انگلی پکڑ کر بچے کو اپنے ساتھ صف میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس حکم کی وجہ یہی ہے کہ آخر بچہ بچہ ہی ہے وہ بے چینی اور گھبراہٹ اور بچپن کی حرکات کا اظہار کرے گا اور اِس طرح بڑوں کی نماز میں بدمزگی اور خلل واقعہ ہوگا۔ پھر اِس حکم کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اُن کے اندر تربیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ابھی ہم سیکھ رہے ہیں اور جب تک سیکھ نہ لیں ہمارا حق نہیں کہ آگے کھڑے ہوں۔

پس جب تک بچپن میں تربیت کامل نہ ہو آئندہ نسل اخلاقِ فاضلہ نہیں سیکھ سکتی اور نہ وہ دین حق اور احمدیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ بچوں کو بچپن میں ہی خدا کے متعلق، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق، حضرت مسیح موعود اور امامِ وقت کے متعلق کچھ کچھ واقفیت کرانی چاہیئے سلسلہ کے نظام کا مختصر سا نقشہ ان کے ذہنوں میں قائم کرنا چاہیئے۔ یہ مت سمجھو کہ بچے سمجھتے نہیں، وہ بات کو خوب سمجھتے ہیں۔ .... جس قسم کی بات بچے کے کان میں ڈالی جائے۔ وہ اپنی استعداد کے مطابق سمجھ سکتا اور سیکھ سکتا ہے۔ اگر اس کے ذہن میں دین کی، سلسلہ کی مختصر باتیں ڈالی جائیں تو بچہ اُن کو اپنے ذہن میں قائم رکھ سکتا ہے۔ اور یہ مت خیال کرو کہ تم اگر بچپن میں بچے کی تربیت نہیں کرتے صرف اِس خیال سے کہ تم نیک ہو اور وہ بھی نیک ہو جائیں گے تو اس طرح تم اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم اپنے اہل کے ذمہ دار ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ کہ ہر ایک تم میں سے راعی اور بادشاہ ہے اور وہ اپنی رعیّت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ بچپن میں تربیتِ صحیح کے بغیر بڑے ہو کر اُن کی اصلاح کی امید رکھنا سخت غلطی ہے۔ دین کی درستی اور اصلاح کے لیئے ضروری ہے کہ پہلے ظاہری اخلاق درست ہوں۔ اگر بچپن میں اُن کے دل میں مقاماتِ مقدسہ کا احترام نہیں اور وہ ایسے مقامات پر شور اور شر کرتے ہیں اور ماں باپ اُن کو ایسی حرکت سے نہیں روکتے تو وہ اِس بات کیلئے اُن کو تیار کر رہے ہیں کہ بڑے ہو کر دینی امور میں وہ تمسخر اور استہزاء سے کام لیں اور اُن کے دلوں میں شعائرِ دین کی کچھ عزت و وقعت نہ رہے۔ پس میں آپ کو اس قسم کی تربیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں تاکہ دشمن بھی یہ سمجھے کہ یہ قوم ایسے اعلیٰ اخلاق کو پہنچ گئی ہے کہ کبھی ہلاک نہیں ہو سکتی۔

غرض یہ عید ہمیں یہ سبق سکھلاتی ہے کہ اگر ہم اپنی اولاد کو صحیح معنوں میں قربان کریں تو ہماری اولاد اتنی بڑھے گی جتنے آسمان کے ستارے۔ پس اگر کوئی سچی محبت خدا اور رسولؐ سے رکھتا اور اگر اس کو دین حق اور سلسلہ احمدیہ سے بلکہ اگر اس کو انسانیت سے بھی کچھ اُنس ہے تو بچپن میں اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرے۔ جہاں آپ اپنے نفسوں کو لالچ، طمع، حرص، چوری اور جھوٹ جیسی بداخلاقیوں سے

بچاؤ وہاں بچوں کو بھی ان کا عادی نہ ہونے دو اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو۔ دین کی اور سلسلہ کی محبت اُن کے دلوں میں پیدا کرو۔ اُن سے بے جا محبت کر کے اعلیٰ اخلاق کے سیکھنے سے اُن کو محروم نہ رکھو تا دوسروں کے لیئے نمونہ بنیں بلکہ دُنیا میں ایک بڑی قوم اور نسل بنیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا کہ خدا کی بادشاہت میں بچے داخل ہو سکتے ہیں اس کے یہ معنے ہیں کہ کوئی قوم آئندہ زندہ نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ اپنی اولاد کی بچپن میں تربیت کی فکر نہیں کرتی۔ پس بچپن میں اپنی اولاد کے اخلاق کی درستی اور اصلاح کرو۔ تا تم کو دائمی عید نصیب ہو ورنہ اچھے اچھے کپڑے بچوں کو پہنا دینا کوئی خوشی کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو احسن طریق سے پورا کریں۔"

(الفضل ۲۱ر جولائی ۱۹۲۵ء صفحہ ۸تا۵)

ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان
کی
شرح چندہ میں اضافہ

یکم جنوری ۱۹۸۴ء سے ماہنامہ خالد کی شرح چندہ ۲۵/- روپے اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان کی شرح چندہ ۲۰/- روپے مقرر ہے ملک میں شدید مہنگائی کی وجہ سے گزشتہ دو تین سال سے ماہنامہ خالد اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان کی شرح چندہ میں اضافہ کی ضرورت ان کے ہر سال زیرِ بار ہو جانے کی وجہ سے محسوس ہو رہی تھی پھر بھی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے کوشش کی کہ اسی چندہ میں خریداران کو ہر دو رسالے مہیا کیئے جاتے رہیں۔

لیکن اب کاغذ کی گرانی، ڈاک خرچ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ پریس اور کتابت کے نرخوں اور متعلقہ اشیاء کی قیمت میں اضافہ کی بناء پر شرح چندہ میں اضافہ ناگزیر ہو گیا ہے تاکہ یہ رسائل جو پہلے ہی زیرِ بار ہیں مزید زیرِ بار نہ ہو جائیں۔ لہٰذا مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے یکم جولائی ۱۹۸۹ء سے ماہنامہ خالد کی سالانہ شرح چندہ تیس ۳۰ روپے اور ماہوار ۳/- روپے اور ماہنامہ تشحیذ الاذہان کی سالانہ شرح چندہ پچیس ۲۵ روپے اور ماہوار ۲/۵۰ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ خریداران و ایجنٹ صاحبان مطلع رہیں اور آئندہ نئی شرح کے مطابق ادائیگی فرما کر حسبِ معمول ادارہ خالد و تشحیذ الاذہان سے تعاون فرمائیں!

(مینجر ماہنامہ خالد و تشحیذ الاذہان۔ ربوہ)

حضرت مسیح موعود کے چند فارسی اشعار کا

منظوم ترجمہ

از

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدھا

اے خداوندِ من گناہم بخش
سُوئے درگاہِ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل و جانم
پاک کُن از گناہِ پنہانم
دلستانی و دلرُبائی کُن
بہ نگاہے گرہ کُشائی کُن
در دو عالم مرا عزیز توئی
وانچہ می خواہم از تو نیز توئی

مولا مرے قدیر مرے کبریا مرے
پیارے مرے حبیب مرے دِلربا مرے
بارِ گُنہ بلا ہے مرے سر سے ٹال دو
جس رہ سے تم ملو مجھے اُس رہ پہ ڈال دو
اِک نورِ خاص میرے دل وجاں کو بخش دو
میرے گناہِ ظاہر و پنہاں کو بخش دو
بس اِک نظر سے عقدۂ دل کھول جائیے
دِل لیجیے مرا مجھے اپنا بنائیے
ہے قابلِ طلب کوئی دنیا میں اور چیز؟
تم جانتے ہو تم سے سوا کون ہے عزیز
دونوں جہاں میں مایۂ راحت تمہیں تو ہو
جو تم سے مانگتا ہوں وہ دولت تمہیں تو ہو
(دُرِّ عدن)

حاصلِ مطالعہ

دبستانِ احمد کی سیر

(عطاء المجیب راشد)

سیدنا حضرت مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ ایک عجیب سرور بخش روحانی تجربہ ہے۔ اس بات میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں۔ پچھلے دنوں یہ خیال آیا کہ جوبلی کی آمد کی مناسبت سے آپ کی تحریروں میں سے سو فقروں کا انتخاب کیا جائے۔ اس مقصد سے کتب پر ایک سرسری نظر ڈالی تو صدہا نکاتِ معرفت سامنے آئے۔ انتخاب ایک مشکل مرحلہ بلکہ امتحان بن گیا۔ کسے لوں اور کسے نہ لوں۔ نہ لوں تو کیوں نہ لوں۔ بہرحال سو فقروں کا انتخاب پیش خدمت ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اِن فقروں میں تحدّی، جلال، شوکت اور عظمت سب کچھ ہے۔ علم اور معرفت سے لبریز یہ فقرے معارف کے ایک قلزمِ بیکراں کا حکم رکھتے ہیں۔ اِن میں نصیحت بھی ہے اور حکمت بھی۔ الغرض وہ سب کچھ ہے جو ایک طالبِ حق اور سالکِ راہِ مولیٰ کو چاہیئے۔ پڑھیئے اور خود اس خداداد علمِ کلام کی عظمت سے حظ اٹھائیے!

(۱) نورِ وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم)

(۲) تم یقیناً سمجھو کہ صادقوں کے لیئے اسی قدر اس کے دروازے کھل جاتے ہیں جس قدر اُن کے صدق کا اندازہ ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم)

(۳) جو لوگ طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں۔ اور جو ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ملتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم)

(۴) کوئی ایسا نہیں جس نے اس (خدا) کو طلب کیا اور نہ پایا۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم)

(۵) خدا اور بندے میں وہ چیز جو بہت جلد جدائی ڈالتی ہے وہ شوخی اور خود بینی اور متکبری ہے۔ (سرمہ چشم آریہ)

(۶) پرستش کی جڑ تلاوتِ کلام الٰہی ہے۔ (سرمہ چشم آریہ)

(۷) اس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کے لیئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ (فتح اسلام)

(۸) اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ (فتح اسلام)

(۹) جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے مَیں آیا ہوں۔ (فتح اسلام)

(۱۰) اِس زمانہ کا حصنِ حصین مَیں ہوں۔ جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ (فتح اسلام)

(۱۱) جو ڈھونڈتا ہے وہی پاتا ہے جو کھٹکھٹاتا ہے اُسی کے لئے کھولا جاتا ہے۔ (فتح اسلام)

(۱۲) تم اپنی اِس عقل کے ذریعہ سے اُس دوسرے عالم کا ایک ذرہ سا گوشا بھی نہیں دیکھ سکتے جس کی سکونتِ ابدی کے لئے تمہاری رُوحیں پیدا کی گئی ہیں۔ (فتح اسلام)

(۱۳) [اسلام کے] اِس درخت کو اس کے پھلوں سے اور اِس نیّر کو اس کی روشنی سے شناخت کروگے۔ (فتح اسلام)

(۱۴) یقیناً سمجھو کہ تم ہرگز مقابلہ نہیں کرسکوگے۔ تمہارے پاس زبانیں ہیں مگر دل نہیں۔ جسم ہے مگر جان نہیں۔ آنکھوں کی پتلی ہے مگر اس میں نور نہیں۔ (فتح اسلام)

(۱۵) میرے اندر ایک آسمانی رُوح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔ (ازالہ اوہام)

(۱۶) مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مرگئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پیئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ (ازالہ اوہام)

(۱۷) وہ زندگی بخش باتیں جو مَیں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے مُنہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اَور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ (ازالہ اوہام)

(۱۸) جہاں تک مَیں دُور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دُنیا اپنی سچائی کے تحتِ اقدام دیکھتا ہوں۔ (ازالہ اوہام)

(۱۹) کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کرسکتیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اِس آسمانی صدا کا احساس نہیں۔ (ازالہ اوہام)

(۲۰) اگر نجات چاہتے ہو تو دینُ العجائز اختیار کرو۔ (ازالہ اوہام)

(۲۱) خدا بڑی دولت ہے اس کو پانے کے لئے مصیبتوں کے لئے تیار ہوجاؤ۔ وہ بڑی مراد ہے اُس کو حاصل کرنے کے لئے جانوں کو فدا کرو۔ (ازالہ اوہام)

(۲۲) ایک بچّہ کی طرح بن کر اس (خدا) کے حکموں کے نیچے چلو۔ (ازالہ اوہام)

(۲۳) نماز سے پہلے جیسے ظاہر وضو کرتے ہو ایسا ہی ایک باطنی وضو بھی کرو اور اپنے اعضاء کو غیر اللہ کے خیال سے دھو ڈالو۔ (ازالہ اوہام)

(۲۴) حقیقی طور پر انسان کی کیا عزّت ہے صرف اس (خدا) کے نور کے پرتو پڑنے سے عزّت حاصل ہوتی ہے۔ (آسمانی فیصلہ)

(۲۵) خوش اور مبارک زندگی وہی زندگی ہے جو الٰہی دین کی خدمت اور اشاعت میں بسر ہو۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام)
(۲۶) ایمان کا ذرّہ، فلسفہ کے ہزار دفتر سے بہتر ہے۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام)
(۲۷) دنیا میں ہر ایک ماتم زدہ ہے مگر ایماندار۔ دنیا میں ہر ایک سوزش اور حرقت اور جلن میں گرفتار ہے مگر مومن۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام)
(۲۸) دُعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے۔ (برکات الدُّعا)
(۲۹) نبیوں کے ہاتھ میں بجز دُعا کے اَور کیا تھا۔ (برکات الدُّعا)
(۳۰) کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ (شہادت القرآن)
(۳۱) جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ (شہادت القرآن)
(۳۲) میری رُوح ہلاک ہونے والی نہیں اور سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ (انوار الاسلام)
(۳۳) مجھے وہ ہمّت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ (انوار الاسلام)
(۳۴) انسان کی روحانی زندگی استغفار سے ہے۔ (نور القرآن حصہ اوّل)
(۳۵) صبر اور استقامت کے ساتھ تمام راست بازی کی راہوں کو پورا کرنا اور پاک اور بے لوث زندگی اختیار کرنا یہی اسلام کی جڑ اور اصل حقیقت ہے۔ (ست بچن)
(۳۶) عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اس کا پانی خدا کی محبّت ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی)
(۳۷) ہم مُردہ ہیں جب تک خدا کے ہاتھ میں مُردہ کی طرح نہ ہو جائیں۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی)
(۳۸) جو شخص..... ہمیشہ کے لئے اِستغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ کہ انسان اور اندھا ہے نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے نہ طیّب۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی)
(۳۹) یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آ رہی ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی)
(۴۰) پاک زندگی پانے کا مقام یہی دنیا ہے۔ (سراج دین عیسائی کے چار سوالوں کے جوابات)
(۴۱) خدا..... کی طرف محبّت اور وفا کے ساتھ جھکنے والے ہرگز ضائع نہیں کیے جاتے۔ (کتاب البریّہ)
(۴۲) خدا کی راہ میں ہر ایک ذلّت اور موت فخر کی جگہ ہے۔ (کتاب البریّہ)
(۴۳) خدا..... کی ہستی پر ذرّہ ذرّہ مُہر لگا رہا ہے۔ (کتاب البریّہ)
(۴۴) ہماری تمام سعادت خدا شناسی میں ہے۔ (کتاب البریّہ)
(۴۵) ہمارا دل..... یقین سے ایسا پُر ہے جیسا کہ سمندر کی زمین پانی سے۔ (کتاب البریّہ)

(۴۶) تم اس خدا کے پہچاننے کے لیئے بہت کوشش کرو جس کا پانا عین نجات اور جس کا ملنا عین رستگاری ہے۔ (کشف الغطاء)

(۴۷) جو شخص دُعا کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف مُنہ نہیں کرتا وہ ہمیشہ اندھا رہتا ہے اور مرتا ہے۔ (ایام الصلح)

(۴۸) ایک مخلص صادق کو عین مصیبت کے وقت میں دعا کے بعد وہ لذت حاصل ہو جاتی ہے جو ایک شہنشاہ کو تختِ شاہی پر حاصل نہیں ہو سکتی۔ (ایام الصلح)

(۴۹) دُعا کرنے والوں کے لیئے آسمان۔ زمین سے نزدیک آ جاتا ہے۔ (ایام الصلح)

(۵۰) ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اِس زندگی میں روحانی روشنی کے طالب کے لیئے صرف دعا ہی ایک ذریعہ ہے۔ (ایام الصلح)

(۵۱) تقویٰ ہر ایک باب میں انسان کے لیئے سلامتی کا تعویذ ہے اور ہر ایک قسم کے فتنہ سے محفوظ رہنے کے لیئے حصنِ حصین ہے۔ (ایام الصلح)

(۵۲) اِس تاریکی کے زمانہ کا نور مَیں ہی ہوں۔ (مسیح ہندوستان میں)

(۵۳) مقبول کا سوال جو بے قراری کے وقت کا سوال ہو ہرگز ردّ نہیں ہوتا۔ (مسیح ہندوستان میں)

(۵۴) میری سچائی کے لیئے یہ کافی حجّت ہے کہ میرے مقابل پر کسی قدم کو قرار نہیں۔ (تریاق القلوب)

(۵۵) صدیق وہ ہوتا ہے جس کو سچّائیوں کا کامل طور پر علم بھی ہو اور پھر کامل اور طبعی طور پر اُن پر قائم بھی ہو۔ (تریاق القلوب)

(۵۶) میری روح نہایت توکل کے ساتھ تیری طرف ایسی پرواز کر رہی ہے جیسا کہ پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے۔ (ضمیمہ تریاق القلوب)

(۵۷) میری روح تیرے نام سے ایسے اُچھلتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ ماں کے دیکھنے سے۔ (ضمیمہ تریاق القلوب)

(۵۸) مَیں وہ درخت ہوں جسے مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ)

(۵۹) اے لوگو! تم یقیناً سمجھو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ (تحفہ گولڑویہ)

(۶۰) خدا کے مامورین کے آنے کے لیئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لیئے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ مَیں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ (تحفہ گولڑویہ)

(۶۱) مَیں بنی نوع انسان سے ایسی محبّت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچّوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ (اربعین)

(۶۲) انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور

بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول ۔ (اربعین)

(۶۳) مجھ سے سمجھ لو کہ مَیں خدا کی روح سے بولتا ہوں ۔ (نزول المسیح)

(۶۴) اگرچہ مَیں دُنیا میں ہوں مگر مَیں دُنیا میں سے نہیں ہوں ۔ (نزول المسیح)

(۶۵) خدا کا کلام جو میرے پر نازل ہُوا اور ہوتا ہے وہ میری روحانی والدہ ہے جس سے مَیں پیدا ہُوا ۔ (نزول المسیح)

(۶۶) یاد رکھو کہ گناہ سے پاک ہونا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں ۔ (نزول المسیح)

(۶۷) خدا کا قائل وہی ہے جس کی یقین کی آنکھیں کھُل گئی ہیں ۔ (نزول المسیح)

(۶۸) اے پاکیزگی کے ڈھونڈنے والو! اگر تم چاہتے ہو کہ پاک دل بن کر زمین پر چلو اور فرشتے تم سے مصافحہ کریں تو تم یقین کی راہوں کو ڈھونڈو ۔ (نزول المسیح)

(۶۹) چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لیئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لیئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا ۔ (کشتی نوح)

(۷۰) سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلّل کرو تا تم بخشے جاؤ ۔ (کشتی نوح)

(۷۱) تمہاری عقلمندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو ۔ (کشتی نوح)

(۷۲) جو لوگ قرآن کو عزّت دیں گے وہ آسمان پر عزّت پائیں گے ۔ (کشتی نوح)

(۷۳) نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو ۔ (کشتی نوح)

(۷۴) ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں ..... یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے ۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو ۔ (کشتی نوح)

(۷۵) تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے ۔ (کشتی نوح)

(۷۶) رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جائے ۔ (کشتی نوح)

(۷۷) یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں ۔ شیطان ان پر چڑھ نہیں سکتا ۔ (کشتی نوح)

(۷۸) انسان پاک کو تب پاتا ہے کہ خود پاک ہو جاوے ۔ (کشتی نوح)

(۷۹) متقی وہ ہے جو خدا کے نشان سے متقی ثابت ہو ۔ (کشتی نوح)

(۸۰) اگر تکبّر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا ۔ (کشتی نوح)

(۸۱) تمام خواہشیں جو خدا کی رضامندی کے مخالف ہیں دوزخ کی آگ ہیں اور ان خواہشوں کی پیروی میں عمر بسر کرنا ایک جہنمی زندگی ہے ۔ (لیکچر سیالکوٹ)

(۸۲) جس دل میں یہ خواہش اور یہ طلب نہیں کہ خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ یقینی طور پر اس کو نصیب ہو وہ ایک

مردہ دل ہے۔　(لیکچر سیالکوٹ)

(۸۳) (دعا) موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ)

(۸۴) دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ)

(۸۵) دعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ)

(۸۶) دعا کرنا اور مرنا قریب قریب ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ)

(۸۷) انسان کی تمام روحانی خوبصورتی تقویٰ کی تمام باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ)

(۸۸) صادق المحبت انسان جو سچی محبت خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے وہ وہ یوسف جس کے لیئے ذرہ ذرہ اس عالم کا زلیخا صفت ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ)

(۸۹) درد جس سے خدا راضی ہو اُس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو۔ (الوصیت)

(۹۰) وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اُس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ (الوصیت)

(۹۱) ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے قبول کیئے جاؤ۔ (الوصیت)

(۹۲) ہمارے لیئے وہ صلیب کافی ہے جو اپنی قربانی دینے کی صلیب ہے۔ (قادیان کے آریہ اور ہم)

(۹۳) انسان میں توحید قبول کرنے کی استعداد اُس آگ کی طرح رکھی گئی ہے جو پتھر میں مخفی ہوتی ہے۔ اور رسول کا وجود چقماق کی طرح ہے جو اس پتھر پر ضرب توجہ لگا کر اس آگ کو باہر نکالتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی)

(۹۴) مَیں اپنی کوئی عزت نہیں چاہتا بلکہ اس کی عزت چاہتا ہوں جس کے لیئے مَیں بھیجا گیا ہوں۔ (حقیقۃ الوحی)

(۹۵) خدا..... غریبوں کو خاک میں سے اُٹھاتا اور متکبروں کو خاک میں ملاتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی)

(۹۶) جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اُس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔ (حقیقۃ الوحی)

(۹۷) خالص محبتِ الٰہی اور خالص عشقِ الٰہی اخفا کو چاہتا ہے۔ (چشمۂ معرفت)

(۹۸) یہ فیصلہ شدہ بات ہے کہ خدا کو بجز خدا کی تجلی اور توجہ کے پا نہیں سکتے۔ (چشمۂ معرفت)

(۹۹) مال سے محبت مت کرو کیونکہ وہ وقت آتا ہے کہ اگر تم مال کو نہیں چھوڑتے تو وہ تمہیں چھوڑ دیگا۔ (اشتہار یکم جولائی ۱۹۰۰ء)

(۱۰۰) قبل اس کے کہ وہ وقت آوے کہ انسان کو دیوانہ سا بنا دے بیقراری کی دعاؤں سے خود دیوانے بن جاؤ۔ (اشتہار ۲۷ فروری ۱۹۰۴ء)

(بشکریہ اخبار احمدیہ۔ لندن)

جذبہ عشق

(از قلم سیدنا حضرت فضل عمر (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو)

دن کا وقت تھا مجلس میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایک بزرگ ہستی جس کا چہرہ ایک بقعۂ نور تھا اور جس کے پاکیزہ جسم سے نہایت تیز مقناطیسی شعاعیں نکل نکل کر اس کے ہم جلیسوں کے دلوں کو مسحور کر رہی تھیں۔ مجلس کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ مقناطیسی شعاعیں جو اس کے جسم سے نکل رہی تھیں دو قسم کی تھیں۔ ایک محبت پیدا کرنے والی تھیں اور دوسری رُعب۔ جن لوگوں کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں وہ شعاعیں اُن کے اندر داخل ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ ایک طرف جذبۂ محبت تھا جو بچے سے ماں کی محبت کی نسبت بھی زیادہ ناز اور والہیت پیدا کر رہا تھا۔ دوسری طرف جذبۂ رُعب تھا کہ سلاطین و ملوک سے بھی زیادہ ادب و نیاز کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ محبت کہتی تھی، اس چہرے کو دیکھے جا۔ ادب کہتا تھا آنکھیں نیچے رکھ۔ ناز کا اصرار تھا کہ باتیں کر اور کرتا ہی جا۔ نیاز کہتا تھا خاموش رہ اور کان رکھ۔

یہ منور وجود اور مقدس ہستی سادگی اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ تھی۔ بادشاہانہ رعب تھا مگر فقیرانہ لباس۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ تھا مگر مسندِ شاہی کی جگہ ایک معمولی سا کپڑا نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس میں اور اس کے ساتھیوں میں کچھ فرق نہ تھا بلکہ ان میں سے کئی کا لباس اس کے لباس سے بہتر تھا۔

خدا تعالیٰ نے جس طرح باطنی کمالات اس بزرگ کو دیئے تھے ظاہری خوبیاں بھی موجود تھیں۔ جس کی بناوٹ میں کوئی ایسا نقص نہ تھا کہ دیکھنے والے کو گھن آئے۔ بلکہ مردانہ حُسن و خوبصورتی سے اُسے وافر حصہ ملا تھا جس کی وجہ سے انسان چہرہ کو دیکھتے ہی ادب و محبت محسوس کرنے لگتا تھا۔ سچ ہے کہ خیالات انسان کے چہرہ پر بھی اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ اس بزرگ کا چہرہ اُن تمام اندرونی نوروں کا شاہد تھا جو اس کے دل میں ایک وسیع سمندر کی طرح موجزن تھے۔ اس کا قد میانہ اور رنگ خوبصورت اور سفید تھا۔ اس کے بال نہ تو گھنگروالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ رنگ کے لحاظ سے وہ کسی قدر سنہری تھے۔ اُس کا جسم بہت ملائم تھا اور اس میں سے خوشبو آتی تھی۔ اس کا سینہ چوڑا تھا اور کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا جو وسعتِ حوصلہ اور سادگیٔ طبیعت پر دلالت کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے تھے اور ہتھیلیاں بہت چوڑی تھیں۔ جو ایک طرف شجاعت پر اور دوسری طرف سخاوت پر دلالت کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا اور

مخاطب کے احساسات کا بہت ہی لحاظ کرتا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکن نہ تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوش میں آنے کا کبھی عادی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا تھا مگر لاابالی متوالے انسان کی مسکراہٹ نہیں جو اُسے اچھا مجلسی تو ثابت کرتی ہے مگر قابلِ اعتبار دوست نہیں۔ بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ اور افسردہ مسکراہٹ کھیلتی تھی جو اُسے اور بھی پیارا بنا دیتی تھی۔ کیونکہ اس کے خفیف شکنوں پر صاف صاف طور پر لکھا ہوا نظر آتا کہ اس مسکراہٹ کی غرض دوسروں کی دلداری اور دلجوئی ہے ورنہ غمخواری اور ذمہ داری نے اس کے دل کو درد و الم کا مخزن بنا رکھا ہے۔ ابھی ابھی کا واقعہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے وہ خانۂ خدا میں نہ جا سکا اُس کے اصحاب جو اس کی خفیف سی تکلیف کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور اُس کی تھوڑی سی جدائی کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے گھبرا گئے۔ ایک اور شخص عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔ اس کا کھڑا ہونا تھا کہ عبادت گھر آہ و بکا کے شور سے گونج اٹھا۔ مرغِ بسمل اس طرح نہیں تڑپتا جس طرح میدانِ جنگ کے شیر اور صف شکن بہادر کرب و اضطراب سے بے تاب ہو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ اُن کی تار نہ ٹوٹتی تھی۔ سینے تھے کہ اُبلنے والی ہنڈیا کی طرح کھول رہے تھے۔ وہ سہارا لے کر اُٹھا۔ دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑکی تک آیا۔ حالانکہ اس میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ تھی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف کیا اور عبادت گھر کی طرف سر جھکا کر مسکرایا۔ اسکی مسکراہٹ نے لوگوں کو وارفتہ کر دیا۔ وہ بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے مسرت مارنے لگے۔ اس نے پھر اپنا سر اندر کر لیا۔ لوگ خوش تھے مگر آہ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس ذرا سی مسکراہٹ کے پیدا کرنے کے لئے اسے کس قدر جذباتِ درد و الم کو محسوس کرنا پڑا۔ اے مقدس وجود میری جان تجھ پر قربان، میرا دل تجھ پر نثار ہو۔ تُو نے موت کی آخری کشمکشوں میں بھی دوسروں کی ادنیٰ خوشی کو مدِ نظر رکھا۔

ہاں! تو آج بھی ان لوگوں کے چہرے افسردہ نظر آتے تھے مگر اس کے چہرہ کی بشاشت قائم تھی۔ وہ اُنہیں اپنی آنے والی جدائی کے لئے تیار کر رہا تھا اور جس طرح آہنگر تلوار کو مکمل کر کے آخری دفعہ صیقل کرتا ہے وہ بھی اپنے اصحاب کے دلوں کو آخری دفعہ جِلا دے رہا تھا۔ وہ اُن کے سامنے سب ضروری سبق دُہرا رہا تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کے سبق اُن کے دلوں میں تازہ کر رہا تھا' اس کی محبت کا ولولہ اُن کے دلوں میں پیدا کر رہا تھا۔ ثبات و استقلال کی تعلیم دے رہا تھا۔ عورتوں سے حُسنِ سلوک، غریبوں کے حقوق کی نگہداشت، یتیموں کی امداد، غلاموں کی آزادی کی تحریک، شکستہ دلوں کی دلدہی، قرضداروں کی اعانت، مسافروں کے ساتھ حُسنِ سلوک، رعایا کی بہتری کی کوشش، غیر مذاہب والوں کے جذبات کا احترام، اخلاقِ فاضلہ کا قیام، عدل و انصاف کا اثبات، غرض دُنیا کی ہر ایک نیکی کی تعلیم اور ہر ایک بدی سے بچنے کی ہدایت وہ دے رہا تھا مگر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا ذکر وہ بالکل حذف کر جاتا۔ گویا اُس وقت دُنیا اپنی ساری تفاصیل کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھی مگر وہ اور اُس

کا گھرانہ بالکل غائب تھے۔ مگر نہیں میں غلطی کرتا ہوں، وہ کبھی کبھی اپنا ذکر بھی کرتا تھا مگر اس لیئے نہیں کہ اپنے مخاطبوں سے اپنی قربانیوں کی داد طلب کرے، اپنی فدائیت کا صلہ مانگے یا اپنے رشتہ داروں کی سفارش کرے۔ نہیں، بلکہ اس کے بالکل مخالف وہ کبھی کبھی بات کرتے کرتے رُک جاتا تھا اور اس کے چہرہ پر انتہائی کرب و اضطراب کے آثار پائے جاتے تھے۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلتی تھی۔ ایسی آہ جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولتا اور اس کی آواز جذباتِ غم کا ایک ایسا ہیجان ظاہر کرتی جس کے مقابلہ میں سمندر کے تلاطم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ مضطربانہ طور پر کہتا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ اِن فقروں کے بولتے وقت اس کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ وہ حسرت و غم کا مجسمہ بن جاتا اور درد و الم کی تصویر۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز کی ایک ایک لہر کے ساتھ بے تعداد تمنائیں اور التجائیں لپٹی ہوئی ہیں اور وہ اپنی تمام عمر کی خدمات اور قربانیوں کا آخری بدلہ مانگتا ہے۔ کیا بدلہ؟ یہ کہ اُس کی قبر کو شرک کی جگہ نہ بنا لیا جائے۔ اس کی آواز غم و الم میں اس طرح ڈوبی ہوئی نکلتی تھی کہ گویا اُس کی اور اس کے خاندان کی تمام بہبودی صرف اس سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے لیئے صرف یہ مانگتا تھا کہ پیدا کرنے والے کی عزت چھین کر اُسے نہ دی جائے۔ میری جان اُس پر فدا اور میرا دل اس پر قربان ہو۔ وہ کیسا وفاشعار تھا۔

مَیں پھر اپنے مطلب سے دُور چلا گیا۔ مَیں کہہ رہا تھا کہ ایک دن وہ اپنی آنے والی جُدائی کے برداشت کرنے کے لیئے اپنے احباب کو تیار کر رہا تھا اور اپنی پاکیزہ تعلیم کے خوشنما آثار پر پھر ایک دفعہ تکرار کے خطوط کھینچ کر انہیں جلا دے رہا تھا۔ آخر اس نے سمجھا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے، وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہے۔ اس وقت اس کے اصحاب کی کیفیت عجیب تھی۔ اگر کبھی بھی انسان کا گوشت اور پوست جذبات و احساسات کی شکل میں بدل گیا ہے تو اس وقت اس کے اصحاب کا یہی حال تھا۔ وہ مجسّم احساس بن رہے تھے۔ اُن کا گوشت بھی احساس بن رہا تھا اور پوست بھی اور ہڈیاں بھی اور ان کے اندر کا گُودا بھی۔ وہ مغز بن گئے تھے بغیر چھلکے کے اور خوشبو بن گئے تھے بغیر پتّیوں کے۔ وہ نفوسِ قدسیہ تھے جو مادہ کی حد بندی کو توڑ چکے تھے اور بلند پرواز طائر تھے جو زمین کی کثافتوں سے بالا ہو چکے تھے۔ اس نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ مَیں بھی ایک انسان ہوں جس طرح تم انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ تم سے معاملات پیش آتے رہتے تھے بالکل ممکن ہے کہ کبھی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت پہنچی ہو۔ مَیں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن خدائے قادر کے سامنے مجھے جوابدہ ہونا پڑے۔ پس جس کو میرے ہاتھ سے کوئی اذیت پہنچی ہو وہ آج مجھ سے بدلہ لے۔

یہ فقرے گویا اُس کے اصحاب کی کمر توڑنے کے لیئے آخری تنکا تھے۔ اُن کے دل پگھل گئے اور آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس پڑیں۔

اُن کا پیارا جس نے اپنی عمر دُنیا کو اذیت سے بچانے
کے لیئے اور غلامی سے چھڑانے کے لیئے خرچ کر دی
وہ اور اُس کے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچی ہو، وہ
اور اُس سے کوئی شخص بدلہ لینے کا خیال کرے۔
اگر چاند تک بچہ کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے یا اگر
انسانی آنکھ عالم کی انتہاء تک پہنچ سکتی ہے تو
بے شک اس سرتا پا نور کا بھی عیب کسی کو نظر
آسکتا ہے۔ مگر جب حقیقت یہ ہے کہ چاند میں
داغ ہیں مگر اس مطہر وجود کی زندگی داغوں سے
پاک ہے تو پھر اس سے بدلہ لینے کے معنی ہی
کیا ہوئے؟ سورج چمک رہا تھا مگر اس کی
شعاعیں دھندلی نظر آنے لگ گئیں۔ ہوائیں چل
رہی تھیں مگر اُن پر ایک سکوت کا سا عالم طاری
ہو گیا۔ درخت ہل رہے تھے مگر ایسا معلوم دینے
لگا گویا وہ ٹھہر گئے ہیں۔ پرندے گا رہے تھے
مگر ایسا محسوس ہوتا تھا گویا اُن کے گانے میں
سے خاموشی کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ سب لوگ
محوِ حیرت ہی تھے کہ ایک شخص بولا۔ حضور! ایک
جنگ کے موقع پر آپ صف بندی کر رہے تھے کہ
ایک صف سے گزر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت
پیش آئی۔ آپ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے
تو آپ کی کُہنی میری پیٹھ کو لگی۔

ہر ایک جو محبت و عشق کا مزا جانتا ہے سمجھ
سکتا ہے کہ اُس وقت مجلس کا کیا حال ہو گیا ہوگا۔
تمام حاضرین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کئی منچلوں
کی تلواریں میانوں سے نکل نکل پڑتی تھیں آنکھیں
شرربار تھیں مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ ہونٹ
پھڑپھڑاتے تھے مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔
دماغ پر جوش و غضب کا تسلط ہو رہا تھا مگر
اظہار کی جرأت نہ تھی۔ سورج اسی طرح چمک رہا
تھا مگر محبت کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو یوں
نظر آیا جیسے اس کی شعاعیں تیز ہو گئی ہیں اور اس
کی دھوپ سُرخ ہو رہی ہے اور دُنیا کو جلانے
کے لیئے تیار ہے۔ ہوائیں اسی طرح چل رہی تھیں
مگر یوں معلوم دینے لگا گویا اُن کی رفتار میں
تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ دُنیا کو تباہ کرنے
پر تلی ہوئی ہیں۔ درخت اسی طرح ہل رہے تھے
مگر نظر یوں آتا تھا کہ گویا وہ ابھی زمین سے
اُکھڑ کر جا پڑیں گے۔ پرندے ویسی ہی میٹھی آواز
سے گا رہے تھے مگر محبت کے کان ایک کان
پھاڑ دینے والا شور سُن رہے تھے جو دوزخ کی چیخ
کے مشابہ تھا۔ غرض سب مجلس میں کیا متکلم اور
کیا سامع سب کے دلوں میں ایک ہیجان برپا تھا
اور ہر ایک کی قلبی کیفیت کے مطابق عالم میں
بھی ایک تغیر نظر آ رہا تھا۔ مگر ایک شخص ان
سب ہیجانوں سے بالا تھا۔ اور وہ وہی بزرگ
نفس انسان تھا جس نے ہر اُس شخص کو بدلہ لینے
کی دعوت دی تھی جسے اُس کے ہاتھوں سے
کوئی نقصان پہنچا ہو۔ اُس نے نہایت متانت
اور خوشی سے جواب دیا کہ میں بیٹھا ہوں میری
پیٹھ پر کُہنی مار لو۔ حضارِ مجلس کے دماغ جوش
غضب سے اُبل رہے تھے۔ مگر وہ کچھ نہ کہہ
سکتے تھے۔ یقیناً خدا کے فرشتے اس وقت اس
خدا کی حمد گا رہے تھے جس نے اس رسول کو پیدا

رکھا گیا تھا۔

وہ شخص جس نے بدلہ کا مطالبہ کیا تھا اُٹھا اور اُس نے کہا کہ جناب جس وقت مجھے آپ کی کہنی لگی تھی اُس وقت میرا جسم ننگا تھا۔ پس بدلہ پورا نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے جسم سے کُرتہ نہ اُتارا جائے۔ اُس بزرگ نے فوراً اپنی پیٹھ پر سے کُرتہ اونچا کر دیا کہ لو اب کہنی مارو۔

اس وقت لوگوں کے دلوں کی حرکت بند ہو گئی اور دُنیا ایک عالمِ خموشاں نظر آنے لگی۔ ہر ایک شخص حیران تھا کہ وہ شخص جو بدلہ کے لئے آمادہ تھا کیا دیوانہ ہے۔ اگر اس بزرگ کا ڈر نہ ہوتا تو اس وقت اُس شخص کی ایک بوٹی بھی نظر نہ آتی۔ مگر اُس کے ثبات میں بھی کچھ فرق نہ آیا اُس نے لوگوں کے غصّہ کی بھی پرواہ نہ کی وہ اُٹھ کے اُس بزرگ کے پاس آیا اور پیٹھ کی طرف جھکا۔ اس کے چہرہ کے اعصاب اُس وقت پھڑک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔ وہ نیچے جھکا اور اُس بزرگ کی ننگی پیٹھ کو ادب سے اپنے ہونٹوں سے چھُوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور خدا کی حمد بجا لاتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ آنسو جذبۂ عشق کے آنسو تھے۔ اس نے کہا حضور! کجا بدلہ اور کجا یہ خادم! جس وقت حضور سے معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آپہنچا ہے جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو مَیں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مَس کر لیں جسے خدا تعالیٰ نے برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ پس مَیں نے اِس کہنی کو اپنے مقصد کے پُورا کرنے کا ذریعہ بنایا جس کا لگنا اُس وقت بھی میرے لئے موجبِ فخر تھا اور آج بھی۔ — جماعت پر سے حیرت دُور ہو گئی۔ تعجب کی سختی جاتی رہی اور دل پھر نرمی سے حرکت کرنے لگے۔ کئی دماغ جو پہلے غصّہ کے خیالات سے لبریز تھے۔ اب رشک کے جذبہ سے معمور ہو گئے۔ سورج اب بھی چمک رہا تھا مگر اب اس کی روشنی بہت خوبصورتی اور محبت کی بجلی سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں مگر اب ان میں دیارِ محبوب کی خوشبو ملی ہوئی معلوم دیتی تھی۔ درخت اب بھی ہل رہے تھے مگر اب ان کی حرکات خوشی کے ناچ کے مشابہ لگتی تھیں۔ پرندے اب بھی گا رہے تھے مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ حمد و ثناء کے گیت گا رہے ہیں۔ مجلس میں افسردگی کے باوجود خوشی کی ایک لہر دَوڑ رہی تھی۔ اور اس کا سبب جذبۂ عشق کا وہ مظاہرہ تھا جو اُوپر بیان ہوا۔ اس بزرگ کے ہونٹوں پر اسی طرح مسکراہٹ تھی اور مسکراہٹ کے پیچھے ایک بارِ الم و غم تھا۔

یہ بزرگ میرا محمد ﷺ تھا اور اہلِ مجلس اُس کے صحابہؓ تھے۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ
آلِ محمّدٍ و بارك وسلّم
انّك حمید مجید

ایک سفید پرندہ

محترم بشیر احمد صاحب آرچرڈ کا خودنوشت سوانحی خاکہ

یہ عاجز ڈیون (DEVON) کے جنوبی ساحل کے ایک صحت افزا مقام ٹورکی (TORQUAY) میں ۲۶ اپریل ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا۔ میرے والد بزرگوار ایک ڈاکٹر تھے اور والدہ محترمہ شادی سے پہلے نرسنگ کے پیشہ سے منسلک تھیں۔ اُن دنوں طبقاتی امتیازات آج کی نسبت کہیں گہرے اور نمایاں تھے۔ میرے والدین خوشحال طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ میرے دادا جان بھی ڈاکٹر تھے اور میرے نانا بحریہ میں ایڈمرل کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے۔ اِن بزرگوں میں سے صرف نانی جان محترمہ کو مَیں نے دیکھا ہے وہ بھی میرے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔ میرے دو بڑے بھائی تھے اور کوئی بہن نہ تھی۔ سب سے بڑے بھائی جن کی عمر مجھ سے تین سال زیادہ تھی جنگِ عظیم کے دَوران ایک لڑائی میں جہاز کے حادثہ میں وفات پا گئے۔ دوسرے بھائی ابتداء ہی سے مذہبی رجحان رکھتے تھے۔ اِن دنوں وہ رومن پادری کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ درمیانی عمر میں وہ چرچ آف انگلینڈ میں پروٹسٹنٹ پادری رہے لیکن بعد میں رومن کیتھولک بن گئے۔ پہلے پہل انہوں نے ایک سکول میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور وہیں پر اُنہیں پادری بننے کا شوق پیدا ہوا اور یہی شوق انہیں روم لے گیا جہاں انہوں نے پادری بننے کے لئے ضروری تعلیم و تربیت حاصل کی۔ میری والدہ کا میلان بھی مذہب کی طرف تھا اور وہ ابتداء سے ہی باقاعدگی کے ساتھ چرچ جایا کرتی تھیں۔ وہ ایک پکّی مذہبی خاتون تھیں اور جلد ہی بھائی کی طرح رومن کیتھولک چرچ سے منسلک ہو گئیں البتہ میرے والد صاحب پر مذہب کا کوئی خاص اثر نہ تھا اور وہ مذہبی امور میں بہت کم دلچسپی رکھتے تھے۔ میری ایک خالہ چین میں چالیس سال سے زائد عرصہ تک ایک مذہبی مبلّغہ کی حیثیت سے کام کر چکی تھیں۔ انہوں نے میرے بھائی کو چرچ آف انگلینڈ میں پادری بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جب مَیں تین سال کا تھا تو میرے والد نے پہاڑی کی چوٹی پر ایک مکان خریدا جہاں سے پوری وادی (TORBAY) کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ مکان بارٹن کے چوک میں ایک دیہاتی علاقہ میں واقع تھا۔ اِس مکان کی وجہ سے بچپن کے ابتدائی ایّام ہی میں مجھے قدرت کے حسین مناظر دیکھنے کا موقع ملا اور اِرد گرد کی سرسبز

کھیتوں اور وادیوں میں گھومنے پھرنے کا شوق عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ چونکہ یہ علاقہ ساحل سمندر سے ملحق تھا اس لئے ساحلی نظاروں اور قدرت کی رنگینیوں سے لطف اٹھاتا رہا۔ ساحل سمندر پر پھیلے ہوئے وسیع جنگلوں میں سے جنگلی پھل اور اخروٹ وغیرہ اکٹھے کرنا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ اِسی طرح کھمبیوں کے موسم میں صبح سویرے سب سے پہلے اُٹھنا اور کھیتوں میں جاکر کھمبیاں چُننا بھی مجھے بہت مرغوب تھا۔ اِس طرح نہ صرف میرے اندر صبح سویرے اُٹھنے کی عادت پیدا ہوئی بلکہ صبح کی سیر کا لطف بھی حاصل کرتا رہا اور تحقیق و تجسس کا جذبہ بھی بڑھتا رہا۔ یہ میری زندگی کا یادگار اور ناقابلِ فراموش زمانہ ہے۔ میرا بھائی اور میں ونچسٹر لاج کے سکول میں داخل ہوگئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کرکٹ کے ایک عمدہ کھلاڑی تھے اور ولٹشائر کی طرف سے کھیلا کرتے تھے۔ میں فٹ بال اور کرکٹ دونوں ٹیموں کا رُکن تھا۔ ایک ایک کر کے ہم سب اُس سکول سے فارغ ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد مانکٹن کومب کے مشہور پبلک سکول میں جو باتھ کے مضافات میں تھا داخل ہوگئے۔ میرا سکول میں کبھی دل نہ لگا اور نہ ہی میں ایک ہونہار طالبعلم تھا۔ ۱۶ سال کی عمر میں سرٹیفکیٹ حاصل کئے بغیر تعلیم کو ترک کر دیا۔ ایک دفعہ میں نے ڈاکٹر بننے کی خواہش کا اظہار کیا اور میرا خیال تھا کہ والد صاحب اِس بات سے خوش ہوں گے کہ ان کی تقلید میں ڈاکٹر بننے کا ارادہ رکھتا ہوں لیکن انہوں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا تم محنت اور توجہ کے ساتھ مطالعہ نہیں کرتے اور اِس افتادِ طبیعت کے باعث ڈاکٹر بننے کے قابل نہیں۔

۱۹۳۶ء میں موسم گرما کے بعد میں نے سکول کو خیرباد کہہ دیا۔ اِن دنوں میری والدہ قانونی طور پر والد صاحب سے علیحدگی حاصل کر چکی تھیں اور عارضی طور پر باتھ میں قیام پذیر تھیں بعد میں وہ برسٹل چلی گئیں۔ یہ میرے لئے محرومی کا زمانہ تھا۔ چونکہ میں کوئی بہتر کام کرنے کے لائق نہ تھا لہٰذا فوج میں بھرتی ہوگیا۔ گو اُس وقت میری عمر ۱۸ سال سے بھی کم تھی (جو کہ فوج کے لئے کم سے کم عمر ہوتی ہے)۔ میری رجمنٹ "سمرسٹ لائیٹ انفنٹری" تھی اور میری تنخواہ ۲ شلنگ یعنی ۱۰ پنس یومیہ تھی۔ فوجی زندگی میرے لئے بڑی کٹھن تھی۔ فوج میں مجھے خوشگوار ماحول نہ مل سکا کیونکہ ایک مہذّب ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے فوج میں مجھے کوئی مناسب صحبت میسر نہ آسکی میں نے سات سال کا معاہدہ کیا تھا لیکن دوسرے سال کے اختتام پر ہی میں نے اپنے والد صاحب سے درخواست کی کہ وہ میرے لئے ڈسچارج سرٹیفکیٹ حاصل کریں انہوں نے بلا توقف ۳۵ پونڈ کا ایک چیک روانہ کیا اور چند دن میں میں فارغ ہوکر اپنی والدہ کے پاس آگیا۔ بعد ازاں میں "رائل آرمی میڈیکل کور" کے علاقائی یونٹ میں شامل ہوگیا۔ یہ ایسے سپاہی ہوتے تھے جنہیں ہفتہ میں صرف ایک دن ٹریننگ حاصل کرنا ہوتی تھی۔

جنگ کے بادل سروں پر منڈلا رہے تھے اور ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمن کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ میری یونٹ فوراً حرکت میں آگئی اور ایک دفعہ پھر میں ایک باقاعدہ سپاہی بن گیا۔ ہمیں فرانس بھجوایا گیا اور وہاں سے بلجیم جانا پڑا۔ جرمن حملہ نے ہمیں ڈنکرک کے ساحلوں کی طرف دھکیل دیا جہاں سے بچے کھچے تھکے ماندے برطانوی سپاہی دو بارا انگلستان کے ذریعہ واپس اپنے وطن لوٹے۔ مجھے یاد ہے کہ

خستہ حال فوجیوں سے کشتی (چھوٹا جہاز) بھری ہوئی تھی۔ فوراً ہی مجھے نیند آگئی اور جب مَیں بیدار ہوُا تو کشتی ڈاور کی بندرگاہ میں داخل ہو رہی تھی۔ امدادی تنظیمیں ہمیں چائے اور دوسرے مشروبات و ماکولات تقسیم کرنے کے لئے منتظر تھیں۔ اس کے بعد ہمیں ٹرین کے ذریعہ ویلز پہنچایا گیا جہاں ہمیں قیدیوں کی طرح نہیں بلکہ ہیروز کی طرح ایک مقامی قید خانے میں رکھا گیا۔

۱۹۴۱ء میں مَیں نے انڈین آرمی میں کمیشن کے لئے درخواست دی۔ مجھے متعدد انٹرویو بورڈز کے سامنے پیش ہونا پڑا اور آخرکار ایک کیڈٹ آفیسر کی حیثیت سے میرا انتخاب عمل میں آیا اور مَیں ۱۹۴۲ء میں دوسرے کیڈٹس کے ہمراہ ہندوستان کے لئے روانہ ہوُا۔ ہمارا جہاز ایک بڑے کنوائے کا حصّہ تھا جو دُو ماہ کی مسافت کے بعد بمبئی پہنچا۔ ہماری اصل منزل بنگلور تھی جہاں ہم نے چھ ماہ کی ٹریننگ حاصل کی اور پھر سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے میری مختلف یونٹوں میں تعیناتی ہوئی۔ مجھے سترھویں ڈوگرہ رجمنٹ میں شامل کیا گیا جو ان دنوں جالندھر میں تھی۔ بعد ازاں میری تبدیلی انڈین آرمی آرڈیننس کور میں ہوگئی۔ مَیں نے کافی وقت آسام اور برما میں جنگ لڑتے ہوئے گزارا۔ میرے بعض یادگار واقعات میں سے ایک آسام و برما کے بارڈر پر منی پور کے پہاڑوں میں کوہیما کا محاصرہ تھا۔ دراصل مَیں ایک منتشر اور متفرق فوج کا فرد تھا جو پہاڑوں کے اندر حملہ آور جاپانیوں کے محاصرہ میں تھی۔ ہم پر مسلسل دُو ہفتوں تک بمباری ہوتی رہی کمک پہنچنے پر یہ محاصرہ ختم ہوُا۔ پیراشوٹ کے ذریعہ ہمیں خوراک وغیرہ پہنچائی جاتی رہی۔

ایک موقعہ پر مَیں موت سے معجزانہ طور پر بال بال بچا۔ ہم خندقوں کے اندر تھے۔ مجھے چند منٹ کے لئے ایک سینئر آفیسر نے باہر بلایا اور اُسی لمحے بم کا ایک ٹکڑا عین اُس مقام پر آکر گرا جسے کچھ سیکنڈ پہلے مَیں نے چھوڑا تھا اور دو سپاہی جو میرے قریب تھے اس ناگہانی آفت کا شکار ہوگئے۔

مندرجہ بالا واقعہ ۱۹۴۴ء میں ہوُا۔ اسی سال مذہب اور روحانی زندگی کی طرف میرا رجحان بڑھا۔ عیسائیت سے مَیں کبھی بھی متاثر نہیں تھا البتہ ہندو ادب سے یک گونہ دلچسپی تھی اور ایک برہمن سے میری گہری دوستی تھی۔ مَیں پنڈت نہرو کی لکھی ہوئی کتاب "GLIMPSES OF WORLD HISTORY" کا مطالعہ کر چکا تھا۔

اس وقت تک میری زندگی کی دلچسپیاں کم و بیش ویسی ہی تھیں جیسی ایک نوجوان کی ہوتی ہیں۔ سولہ سال کی عمر میں شراب نوشی اور سگریٹ نوشی کی عادت راسخ ہو چکی تھی نیز جؤا باقاعدہ میرے معمولات میں شامل ہو چکا تھا۔ ۱۸ سال کی عمر میں کچھ عرصہ کے لئے مجھ پر رقص کا بھوت بھی سوار رہا اور سینما یا تھیٹر جانا مجھے بہت مرغوبِ خاطر تھا۔ اگرچہ سگریٹ نوشی دینِ حق میں حرام تو نہیں اور اسے نسبتاً کم تر بُرائی سمجھا جاتا ہے تاہم میرے لئے اسے ترک کرنا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ اس مکروہ عادت کو ترک کرکے مجھے بے پناہ جسمانی اور روحانی فوائد حاصل ہوئے۔

عرفان (ENLIGHTENMENT)

• کا کیمپ برما کے بارڈر کی چوکی جو کہ انفال کے قریب ہے لگ چکا تھا۔ ایک احمدی حوالدار کلرک میری یونٹ میں کام کرتے تھے انہوں نے مجھے احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ اس احمدی دوست کا نام عبدالرحمٰن دہلوی تھا۔ اس یونٹ میں بہت سے انگریز بھی تھے لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے انہوں نے اِس سلسلہ میں کسی اَور سے رابطہ قائم نہ کیا۔ مَیں ایک کمیشن آفیسر تھا اور ایک جونیئر آفیسر کے لئے اپنے سے بڑے عہدیدار کو نئے مذہب کی دعوت دینا بہت مشکل تھا اِس لئے انہوں نے حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے قادیان سے میرے نام ایک کتاب "اِسلامی اصول کی فلاسفی" مصنّفہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بھجوا دی۔

مذہب اور روحانیت سے ان دنوں مجھے بالکل بے رغبتی تھی۔ اِس کتاب کے مندرجات کو سمجھنا میرے لئے مشکل تھا تاہم اس کے کچھ حصوں سے مَیں بہت متاثر ہؤا اور روحانی لحاظ سے میرے اندر ایک روشنی پیدا ہوئی۔ مطالعہ کے بعد مَیں نے دانستہ یہ کتاب آفیسرز میس کے ریڈنگ ٹیبل پر چھوڑ دی لیکن کسی نے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہ کی۔ آج سے ۳۵ سال پہلے کی بات ہے اور اِس عرصہ میں مَیں اسے ۳۰ تا ۴۰ مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور ایک پُر امّید بیٹسمین کی طرح توقع رکھتا ہوں کہ جلد یا بدیر مَیں نصف سینچری مکمل کر لوں گا۔

مجھے ۲ ہفتے کی چھٹی ملتی تھی۔ رخصت کے یہ ایّام گزارنے کے لئے ابھی مَیں نے کوئی فیصلہ نہ کیا تھا کہ حوالدار عبدالرحمٰن صاحب دہلوی نے مجھ پر زور دیا کہ مَیں یہ چھٹیاں اُن کے ایک دوست کے ہاں قادیان میں گزاروں۔

قادیان جو کہ میرے لئے ایک نامعلوم جگہ تھی اور اس تک پہنچنے کے لئے ایک ہزار میل لمبا اور تکلیف دہ سفر تھا۔ ایک دو دن کے بعد جب مَیں نے اسے بتایا کہ مَیں نہیں جا رہا تو میرے اِس انکار سے اُسے اِتنی مایوسی ہوئی کہ محض اس کی ہمدردی کی خاطر مجھے اپنا فیصلہ فوراً تبدیل کرنا پڑا اور مَیں نے وعدہ کر لیا کہ مَیں کچھ دنوں کے لئے وہاں جاؤں گا۔ وہاں سے انپھال تقریباً ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا اور انپھال سے قریب ترین ریلوے سٹیشن بھی منی پور کے جنگل میں ۴۰ میل آگے تھا راستہ میں ایک لمبی نشیب و فراز والی سڑک تھی جو جنگل اور پہاڑوں میں سے گزرتی تھی۔ یہ میرے سفر کا پہلا حصّہ تھا۔ مجھے قادیان تک ایک ہفتہ لگا۔ قادیان ایک الگ تھلگ چھوٹا سا قصبہ تھا چونکہ کسی کو میری آمد کی اطلاع نہ تھی اِس لئے کوئی شخص اسٹیشن پر میرے استقبال کے لئے نہ آیا۔ مَیں نے ایک یکّہ لیا اور کوچوان سے کہا کہ وہ مجھے مفتی صادق صاحب کے مکان تک لے جائے کیونکہ یہی وہ نام تھا جن کے ہاں ٹھہرنے کے لئے مجھے حوالدار عبدالرحمٰن نے کہا تھا۔ میرا یکّہ ہچکولے کھاتا ایک خستہ حال سڑک پر تنگ گلی کوچوں سے گزرتا ہؤا ایک دروازے کے سامنے جا کر رُک گیا۔ اندرونی دروازے پر دستک دینے پر اندر سے زنجیر کھلنے کی آواز آئی اور ایک سفید ریش بزرگ برآمد ہوئے جن کا نصف جسم موسمِ گرما کی وجہ سے کپڑوں کے بغیر تھا۔ یہ مفتی صادق صاحب تھے ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران ہوئے مَیں نے ان سے اپنا تعارف کروایا۔ مفتی صادق صاحب نے ٹانگے والے کو ہدایت کی کہ وہ مجھے مہمان خانے پہنچا دے۔

مہمان خانے میں مجھے ایک اچھے سفیدی کئے ہوئے کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد مفتی صاحب مجھے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اب سرتاپا ان کا جسم کپڑوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ایک شاندار پگڑی پہنے ہوئے تھے۔ اگلے روز مفتی صاحب نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور قادیان کے اہم اور قابلِ ذکر مقامات کی سیر کرائی۔ مجھے یاد ہے کہ اس دن مَیں نے سگریٹ نوشی کے متعلق جماعت کے رویّے کے بارے میں ان سے پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ حرام تو نہیں تاہم اسے مستحسن نہیں سمجھا جاتا۔ گزشتہ دو دنوں کا سب سے اہم واقعہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے میری ملاقات تھی جو جماعتِ احمدیہ کے امام اور سربراہ تھے یہ میرے لئے ایک یادگار موقع تھا۔ اگرچہ اس وقت مجھے ان کے روحانی مقام کی اہمیّت کا اتنا احساس نہ تھا۔ وہ اپنے مکان کے برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے مجھے آپ سے گفتگو کی تفصیل تو یاد نہیں لیکن مَیں سب سے زیادہ ان کے پُرنور چہرے کی روحانیت سے متاثر ہوا جو کسی اَور ہی دُنیا کی روشنی سے منوّر تھا۔ ان کا روحانی نور اور گفتگو کرتے ہوئے ایک دلکش مسکراہٹ بڑی سحور کُن تھی وہ ایک مجسمۂ حُسن اور طمانیت کی تصویر تھے۔ انکے چہرے سے ایسا حُسن اور طمانیت ٹپک رہی تھی جو اپنے اندر ایسی مقناطیسیّت رکھتا تھا کہ ہر وہ شخص جو وہاں موجود ہو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مجھے محسوس ہوا کہ مَیں کسی غیر معمولی انسان کے رُوبرو ہوں۔ علاوہ ازیں بھی عام طور پر مَیں وہاں ہر ملنے والے شخص سے متاثر ہوا۔ میرے لئے یہ رُوح پرور نظارہ بڑا پُر کشش، جاذب اور دینِ حق کی طرف کھینچنے میں یہ سب سے اہم تھا۔ اگرچہ دینِ حق سے متعلق میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں لیکن مَیں نے اندازہ لگایا کہ اگر ایمان کے ثمرات یہ لوگ ہیں تو یقیناً یہ مذہب اپنے ماننے والوں کو بہت کچھ دیتا ہے۔ مَیں حق کی تلاش میں تھا اور بعد میں مجھے احساس ہوا کہ وہ مجھے قادیان میں مِل چکا ہے۔ میری روانگی سے ایک شام پیشتر ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ مَیں امرتسر کے اسٹیشن پر جو قادیان سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ بعض اَور آفیسرز بھی ریفریشمنٹ روم میں شراب کے لئے جمع تھے اچانک میرے اندر شراب کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے۔ مَیں نے فوری طور پر شراب کو ہمیشہ کے لئے ترک کرنے کا فیصلہ کیا اور برما کے محاذ پر پہنچتے ہی مَیں نے پہلا کام یہ کیا کہ الکحل کی تمام بوتلیں جو میرے پاس تھیں باہر پھینک دیں۔ ہماری فوج ایک حملہ آور فوج کی حیثیت سے برما کے اندر آگے ہی آگے گھُسی جا رہی تھی۔ جاپانی پسپائی اختیار کر چکے تھے اور ہم ایک چھوٹے سے قصبہ میٹلہ تک پہنچ چکے تھے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر مَیں نے احمدیت کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ مَیں نے بیعت فارم پُر کیا اور ڈاک کے ذریعہ قادیان پہنچا دیا۔ یہ بلاشبہ میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ تھا۔

بابرکت ثمرات (BLESSED FRUITS)

حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے ۳۵ سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے اِس عرصہ میں خدا تعالیٰ کے بے شمار فضل اور برکتیں مختلف رنگ میں مجھ پر نازل ہوئیں۔

شراب نوشی اور جوا (DRINKING AND GANBLING)

مَیں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ مَیں اِن دو بد عادات میں

جھگڑا ہوا تھا حتیٰ کہ اپنے قادیان کے تاریخی دورہ پر بھی مَیں اپنے ساتھ ایک وِسکی اور ایک رم کی بوتل لے گیا تھا۔ خوش قسمتی سے کسی ماورائی طاقت نے یا میری نیک فطرت نے مجھے انہیں استعمال کرنے سے روکے رکھا گو اس وقت مَیں شراب کو کسی لحاظ سے بھی بُرا نہیں سمجھتا تھا۔ مَیں گھوڑوں، کتوں، ڈانس اور تاش وغیرہ پر جوئے کی بڑی بڑی شرطیں لگایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جبکہ انبھال میں مقیم تھا تاش کی بازی پر مَیں پورے مہینے کی تنخواہ ہار گیا۔ احمدیت میں داخل ہو کر سب سے پہلے مَیں نے اِن دو بُرائیوں سے نجات حاصل کی۔

انفاق فی سبیل اللہ

(GIVING IN THE WAY OF ALLAH)

احمدی ہونے سے پہلے مَیں خدا تعالیٰ کی راہ میں یا خیرات کی صورت میں کچھ خرچ نہیں کرتا تھا دینِ حق نے مجھے خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا فلسفہ سکھایا۔ اپنی پیاری چیزیں خدا تعالیٰ کی خاطر قربان کرنے کی بدولت اس کی رضا اور پیار حاصل ہوتا ہے اور انسان بے پناہ اجر حاصل کرتا ہے۔ مَیں نے اپنی آمد کا ۱/۱۶ حصہ خرچ کر کے اِس بابرکت کام کا آغاز کیا اور پھر اسے بڑھا کر ۱/۱۰ حصہ کر دیا اور آخر ۱۹۶۷ء میں مَیں نے ۱/۳ حصہ ادا کرنا شروع کر دیا جو خدا کی توفیق یا فضل سے ہنوز جاری ہے باوجود اس کے کہ میری آمد بہت قلیل ہے لیکن میری زندگی ہر لحاظ سے بہت اچھی گزر رہی ہے۔ باقاعدگی سے تحریکِ جدید، چندہ انصار اللہ، جوبلی فنڈ اور دوسری تحریکات میں حصہ لیتا ہوں۔ دینِ حق ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ عام طور پر چھپا کر دینا بہتر ہے لیکن کبھی کبھی اعلانیہ دینا بھی مستحسن ہے اور اِن باتوں کا مَیں اِس وجہ سے اظہار کر رہا ہوں کیونکہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ مَیں اپنی زندگی کے حالات اور احمدیت کی برکات کا کچھ ذکر کروں میرا یہ تجربہ ہے کہ محض روپیہ یا دولت انسان کو خوشی اور اطمینان بہم نہیں پہنچاتی اطمینانِ قلب خدا تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ کسی دولت یا مادی ذرائع سے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ احمدیت کی بدولت مجھے ایسا اطمینانِ قلب نصیب ہوا کہ جس کا حصول میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

نماز اور دعا (PRAYER)

احمدیت نے مجھے نماز کا پابند بنایا اور اِس طرح مجھے خدا تعالیٰ نے بہت سی برکات اور فضلوں سے نوازا۔ اور قرآن مجید کی اِس آیت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے ہی دل اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ مَیں ابھی تک نماز کے فن (آرٹ) میں طفلِ مکتب ہوں۔ نماز صرف ایک معمول اور عادت ہی نہیں مَیں نے نماز میں توجّہ اور لذّت کے حصول کے سلسلہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ملفوظات سے بہت کچھ حاصل کیا ہے جو میرے لئے مسلسل رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

بعض دفعہ مَیں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوتا ہوں کہ کس طرح ایک سچّا اور مخلص احمدی عمداً نماز با جماعت ترک کر سکتا ہے۔ بیعت کرنے کے کچھ عرصہ بعد جبکہ مَیں قادیان میں تھا کہ بیتِ مبارک کے بورڈ پر حضرت فضلِ عمر کا ایک اعلان لکھا گیا کہ اگر کسی احمدی نے دس سال کے عرصہ میں ایک نماز بھی جان بُوجھ کر ترک کی ہے تو وہ اپنے آپکو

حقیقی احمدی نہیں کہلوا سکتا۔

خواب (DREAMS)

ہر شخص خواب دیکھتا ہے۔ خواب انسانی فطرت میں شامل ہے۔ جدید محققین یہاں تک کہتے ہیں کہ جانور بھی خواب دیکھتے ہیں تاہم ابتدائے آفرینش سے خدا تعالیٰ اپنی ہستی کو خواب یا رؤیا کے ذریعہ بھی ظاہر کرتا ہے۔ قرآن مجید اور دیگر صحائفِ آسمانی واقعات سے پُر ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنا علم، پیغام اور پیشگوئیاں خوابوں وغیرہ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ احمدیت قبول کرنے سے پہلے مجھے کوئی تفصیلی خواب تو یاد نہیں تاہم احمدیت قبول کرنے کے بعد مَیں نے بہت سی ناقابلِ فراموش خوابیں دیکھی ہیں۔ یہ آج بھی میرے لئے اسی طرح تازہ ہیں جس طرح کہ اُس دن تھیں کہ جب مَیں نے پہلی دفعہ دیکھی تھیں۔ مَیں ان میں سے صرف تین خوابوں کا ذکر کروں گا کیونکہ یہ روحانی طور پر غایت درجہ اہمیت رکھتی ہیں۔

(۱) مَیں نے ۱۹۴۵ء میں احمدیت قبول کی۔ انہی دنوں مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں حضرت فضلِ عمر سے بیتِ مبارک میں ملاقات کر رہا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا "اگر آپ کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو مصائب سے مت گھبرائیں"۔ پھر انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ (جس میں عصا بھی تھا) اُوپر اُٹھا کر بڑے زور اور تحدی سے فرمایا "اِس میں کوئی شک نہیں"۔

(۲) اِسی طرح ۱۹۵۸ء میں خاکسار مختصر سی مدّت کے لئے قادیان گیا۔ جبکہ مَیں مہمان خانے میں سویا ہُوا تھا مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی شخص گاڑھے مکھن یا بالائی کی ایک پلیٹ پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے لئے تیار کی گئی تھی لیکن بوجوہ مجھے پیش کی جا رہی ہے۔

(۳) مَیں نے ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۶ء تک جزائر غرب الہند میں ایک مربّی کی حیثیت سے کام کیا۔ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مصلح موعود مجھے ایک پیالہ میں سے جسے وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہیں کچھ پلا رہے ہیں۔ جب مَیں نے نیچے جُھک کر اس پیالہ کو دیکھا تو اس میں دودھ اور بھیگی ہوئی روٹی تھی۔

مجھے اِن خوابوں کی اہمیت کا علم اور احساس ہے اور ان پر تبصرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

مقصد خواہش اور آرزو (AMBITION)

احمدیت قبول کرنے سے پہلے میرا کوئی مقصد یا مدّعائے زندگی نہ تھا۔ مستقبل کے متعلق میرا کوئی پروگرام نہ تھا۔ میری زندگی کم و بیش اُس تباہ حال کشتی کی طرح تھی جو کھلے سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہو تاہم جبکہ مَیں ابھی کافی چھوٹا تھا ایک دفعہ ایک طاقتور خواہش اور جذبہ میرے اندر پیدا ہوا کہ مَیں کوئی غیر معمولی کارنامہ سر انجام دوں مجھے عام آدمیوں کی طرح زندگی نہیں گذار دینی چاہیئے۔ مَیں کسی نہ کسی رنگ میں منفرد بننا چاہتا تھا۔ اس وقت میری عمر زیادہ سے زیادہ دس سال تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کبھی میرا ذہن اس واقعہ کی طرف لَوٹا ہو۔ یہ بجلی کی ایک چمک اور کوندے کی طرح ظہور پذیر ہوا اور پھر یہ کیفیت پیدا نہ ہوئی

تاہم یہ میرے لاشعور میں پوری طرح راسخ ہو گیا ہے اور بعد میں اس لاشعوری وغیر معمولی خواہش کی تعبیر احمدیت کی قبولیت اور خدمتِ دین کی توفیق کی صورت میں ظاہر ہو چکی ہے جیسا کہ درج ذیل واقعات سے ظاہر ہے :-

"جب دوسری جنگِ عظیم ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی تو میں انگلستان لوٹا اور فوری طور پر جنگی خدمات سے سبکدوش وخارج کر دیا گیا۔ میں سیدھا اپنی والدہ محترمہ کے پاس برسٹل گیا اور وہاں دو ایک دن کے لئے ٹھہرا۔ پھر میں لندن میں لندن بیت الذکر کی تلاش میں روانہ ہوا جہاں میں نے اپنا تعارف اس بیت الذکر کے امام مولانا جلال الدین صاحب شمس سے کروایا۔ میں نے مشن کے لئے کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ میں اپنی زندگی کلی طور پر دینِ حق کے لئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس واقعہ کا ذکر مولانا صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

"فوج سے فارغ ہونے کے بعد یہ شخص صرف دو دن کے لئے اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرا اور تیسرے دن یہ شخص لندن بیت الذکر میں تھا گفتگو کے دوران اس نے لندن مشن میں رہنے اور مربی بننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے اس کو ایک مربی کی ذمہ داریوں اور دعوت الی اللہ کے کام کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ آخر کار میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اس کے معاملہ پر ہمدردانہ رنگ میں غور کیا جائے گا اور اسے تحریری طور پر آگاہ کر دیا جائے گا۔ اس پیشکش کو فوراً ہی قبول نہ کر لینے پر وہ پریشان ہوا تاہم کچھ دنوں کے بعد اس نے اپنی زندگی دوسرے واقفین کی طرح غیر مشروط طور پر دین کے لئے وقف کر دی۔ میں نے اس کی درخواست قدرتِ ثانیہ کے دوسرے مظہر کی خدمت میں اپنی سفارش کے ساتھ بھجوا دی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ ٹھہرے اور دینِ حق کا مطالعہ شروع کرے۔ حضور نے ازراہِ شفقت اس کے وقف کو منظور فرمایا اور اس طرح مسٹر آرچرڈ نے دوسرے مربیان کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کر دیا۔" (ریویو آف ریلیجنز جون ۱۹۴۷ء)

خدا تعالیٰ کے کام بھی نرالے ہوتے ہیں اس نے پسند فرمایا کہ یہ حقیر اور عاجز انسان پہلے یورپین احمدی مربی کی حیثیت سے کام کرے۔ یہ بلا شبہ خدا تعالیٰ کی ایک خاص عنایت ہے۔ حضور نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی نصائح سے نوازا:-

"آج تم گمنام ہو اور کوئی تمہاری آواز پر کان نہیں دھرتا لیکن جلد وہ وقت آنے والا ہے جب قومیں تم پر فخر کریں گی اور تمہاری تعریف کے گیت گائیں گی اس لئے جو کچھ تم کہہ رہے ہو یا کر رہے ہو اس کو معمولی نہ سمجھو۔ یہ مت خیال کرو کہ تمہاری حرکات انفرادی اور ذاتی نوعیت کی ہیں بلکہ یہ پوری انگریز قوم کی نمائندگی کرتی ہیں۔ آنے والی نسلیں تمہاری تقلید کریں گی۔ اگر تمہارے افعال اور کام دینِ حق کے مطابق اعلیٰ اور ارفع ہوئے تو یہ یقیناً تمہاری قوم کی اخلاقی حالت کو بہتر بنائیں گے لیکن اگر یہ دینِ حق کے مطابق نہ ہوئے یا معیار کے مطابق نہ ہوئے تو لا محالہ تمہاری قوم خسارہ میں رہے گی۔ لہٰذا اپنی آئندہ نسلوں کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ قائم کرو بصورتِ دیگر خدا تعالیٰ (باقی صـ ۱۴۱ پر)

امام جماعت احمدیہ سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

کا پاکیزہ اور دلکش منظوم کلام

خدامِ احمدیت

ہیں بادہ مست بادہ آشامِ احمدیت　　چلتا ہے دَورِ مینا و جامِ احمدیت
تشنہ لبوں کی خاطر ہر سمت گھومتے ہیں　　تھامے ہوئے سبُوئے گلفامِ احمدیت

خدامِ احمدیت، خدامِ احمدیت

چمکا پھر آسمانِ مشرق پہ نامِ احمد　　مغرب میں جگمگایا ماہِ تمامِ احمد
وہم و گماں سے بالا عالی مقامِ احمد　　ہم ہیں غلامِ خاکِ پائے غلامِ احمد

مُرغانِ دامِ احمد، خدامِ احمدیت

ربوہ میں آجکل ہے جاری نظام اپنا　　پر قادیان رہے گا مرکز مدام اپنا
...... احمدیت دنیا میں کام اپنا　　دار العمل ہے گویا عالم تمام اپنا

پوچھو جو نام اپنا، خدامِ احمدیت

لو چھا گئیں فضا پر تکفیر کی گھٹائیں　　پھر دہریت کے دم سے مسموم ہیں فضائیں
پھوٹیں ہیں جا بجا پھر الحاد کی وبائیں　　آؤ تو ان کی زد سے اسلام کو بچائیں

زورِ دعا دکھائیں، خدامِ احمدیت

پھر باغِ مصطفیٰ کا دھیان آیا ذوالمنن کو　　سینچا پھر آنسوؤں سے احمد نے اس چمن کو
آہوں کا تھا بُلاوا پھولوں کی انجمن کو　　اور کھینچ لائے نالے مرغانِ خوش لحن کو

لوٹ آئے پھر وطن کو، خدامِ احمدیت

اُٹھو کہ ساعت آئی اور وقت جا رہا ہے　　پسرِ مسیح دیکھو کب سے جگا رہا ہے
گو دیر بعد آیا از راہِ دُور، لیکن　　وہ تیز گام آگے بڑھتا ہی جا رہا ہے

تم کو بُلا رہا ہے، خدامِ احمدیت

○

اجتماع کے لئے حضور کا رقم فرمودہ غیر مطبوعہ نوٹ

تقریرِ اجتماع کے لیئے حضرت فضلِ عمر نے اپنے دستِ مبارک سے ایک یادداشت لکھی تھی۔ قارئین کی خدمت میں یہ نایاب تحریر بعینہٖ پیش ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

خدام الاحمدیہ ۲۵ دسمبر ۳۸ء

نوجوان جماعت کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں اور آئندہ قوم کا مقیاس۔ ہر کام کے بعض حصے مشقی ہوتے ہیں اور بعض حصے حقیقی اور مقصود۔ اس طرح آپ کے پروگرام کے ہیں مشقی حصوں کو بے وقعتی سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کام کی جان ہیں۔

مثلاً ڈسپلن اصل شے ہے۔ ہر کام کے لیئے ضروری ہے۔ کئی مواقع پر نظام کی شدید پابندی انسان کو حیرت میں ڈالتی ہے اور وہ اسے فضول سمجھتا ہے۔ لیکن یہ محض ناتجربہ کاری کے سبب سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی وجہ بھی نہ ہو تو ڈسپلن خود اپنی ذات میں بھی تو مفید ہے خواہ مقصود بالذات نہ ہو۔ اُحد کا واقعہ اس کی مثال ہے۔ نماز میں امام کی غلطی کی اتّباع اس کا عملی اور دائمی ثبوت اسلام میں موجود ہے۔

اطاعت کے صرف یہ معنے نہیں کہ تم امام کی اطاعت کرو، اپنے حلقہ میں ہر افسر کی اطاعت یا پھر قانون کی اطاعت ایسی ہی ضروری ہے جیسے کہ بڑے دائرہ میں امام کی اور اس سے بڑے دائرہ میں نبی کی اور اس سے بڑے دائرہ میں خدا تعالیٰ کی۔

جس قوم میں اس نظام کی عظمت پیدا ہو جاتی ہے وہ کسی سے دبتی نہیں کیونکہ اس کے لشکر کو کوئی شکست دے بھی دے تب بھی اس کے دل کو شکست نہیں دے سکتا۔ جرمن قوم کی مثال موجود ہے جس کے لشکر کی تباہی قوم کی تباہی کا موجب نہیں ہوئی۔ اُس وقت اتحادی ہنستے تھے کہ اس کے سپاہی دانوں کی طرح بھنتے لیکن آج جرمن اسی رُوح کی وجہ سے انگریزوں پر ہنستے ہیں۔

لشکرِ نپولین کی مثال کہ نپولین نے بھاگنا نہیں سکھایا۔ یہ نظام کی کامل پابندی ہے جو بزدلی کو دُور کرتی ہے۔

اور انسان کو عادی بنا دیتی ہے کہ وہ صرف ایک چیز کو دیکھے اور وہ اُس کے افسر کا حکم ہے۔ چونکہ اس کے سوا اُسے کچھ نظر ہی نہیں آتا اس لیئے وہ کسی سے ڈرتا بھی نہیں۔

احمدیہ جماعت کا ایک وقت میں بڑا رعب تھا مگر نیشنل لیگ کی بعض غلطیوں کی وجہ سے وہ دُور ہو گیا ہے۔ میں نے تمہاری جماعت اس لیئے قائم کی ہے تاکہ اس رعب کو پھر قائم کیا جائے۔

اسلام میں خودکشی ناجائز ہے لیکن ظاہری خودکشی کے سوا ہر حکم کی اطاعت لازمی اور واجبی ہے۔ بعض لوگ معنوی خودکشی کو خودکشی قرار دیتے ہیں، یہ درست نہیں۔

حضرت عمرؓ کے وقت میں ایک افسر نے برف کے پانی میں ایک سپاہی کو اُتارا اور وہ مر گیا۔ آپ نے اس کی سزا دی مگر اسے قاتل قرار نہیں دیا حالانکہ وہ حکم سرکاری کام کے طور پر نہ تھا اس لیئے گویہ حیثیت کے اس کے اجتہاد کو تسلیم کیا گیا۔

پس یاد رکھو کہ تم اسی وقت سلسلہ کی عزت کو قائم کر سکتے ہو جبکہ تم اپنے آپ کو حقیقی طور پر سلسلہ کے لیئے مرنے کے لیئے تیار رکھو اور تم کبھی اپنے آپ کو تیار نہیں رکھ سکتے جب تک کہ تم میں یہ باتیں نہ پائی جائیں۔

استقلال (۱) محنت کی عادت (۲) اجتہاد سے اجتناب (۳) وسعت نظر کو۔ کوئی کیا کام کر سکتا ہے (۴) اپنے مقصود کو ہر وقت سامنے رکھنا (۵) اپنے آپ کو نتیجہ کا ذمہ دار قرار دینا (۶) اس امر پر یقین رکھنا کہ جو شخص قوم کے لیئے فنا ہوتا ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتا۔ یہ کہ تم قوم کے ایک جزو ہو۔ تم پر پہلا حق سلسلہ کا ہے اور پھر تمہارے اپنے نفس اور اہل و عیال کا (۷) یہ کہ تمہارا کام صرف اپنی اصلاح نہیں بلکہ اپنے ماحول کی اصلاح بھی ہے (پس ہر جگہ اپنی تعداد بڑھائیں) (۸) مناسب اسباب کا مہیا کرنا (۹) سزا کی برداشت ہونی چاہیئے۔ صوفیاء اپنے آپ کو سزا دیتے تھے (۱۰) عقل سے کام لینا (۱۱) مسابقت (۱۲) اطاعت۔

تمہارے موٹو یہ ہونے چاہئیں:۔

(۱) خدمتِ احمدیت مذہبی ذمہ داری (۲) سچ کا قیام (۳) دیانت (۴) خدمتِ خلق (۵) ترقی "

توحید حقیقی کا عملی اظہار — قیام عبادتِ الٰہی

محترم حافظ مظفر احمد صاحب اُستاد جامعہ احمدیہ

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے احمدیت کی دوسری صدی کے آغاز میں جماعت کو توحیدِ باری کے مضمون پر خطبات کا سلسلہ شروع فرمایا ہے اور جماعت کو توحیدِ حقیقی پر کاربند ہونے کی یاددہانی کروائی ہے۔ اور توحیدِ کامل پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں جماعت کے لیئے خاص حفاظتِ الٰہی اور کامرانیوں کی ضمانت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ توحیدِ حقیقی کے تقاضے ہمہ وقت مدنظر رکھیں۔ اس وقت توحیدِ کامل کے ایک بنیادی اوّلین تقاضے کا ذکر مقصود ہے جو دراصل توحیدِ حقیقی کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ میری مراد عبادتِ الٰہی کے قیام سے ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ○ (طٰہٰ: ۱۵، ۱۶)

ان آیات کے ترجمہ سے پہلے مختصراً ان کے پس منظر کا تذکرہ مناسب ہوگا۔ دراصل قرآن مجید ایک ایسی جامع اور مکمل کتاب ہے جس میں پہلی ساری شریعتوں کی تمام تر اعلیٰ اور مفید تعلیمیں جمع کردی گئی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات اس عظیم الشان وحی کو بیان کر رہی ہیں جسے سُن کر حضرت عمرؓ نے شرک سے ہمیشہ کے لیئے توبہ کرکے خدا تعالیٰ کی توحید کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اور جس کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم آواز ہوکر چالیس ابتدائی مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے تھے۔ توحید کے ایسے بلند بانگ نعرے جن سے پہلی مرتبہ وادیٔ بطحا گونجی تھی اور جن کی صدائے بازگشت آج بھی توحید پرستوں کے کانوں میں رس گھولتی اور ایک عجیب لذت عطا کرتی ہے۔ اس پاک کلام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

یقیناً میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (اے مخاطب!) تو میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لیئے نماز قائم کر۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ قریب ہے کہ میں اسے ظاہر کردوں تاکہ ہر نفس کو اپنے اعمال کے مطابق جزا دی جائے۔

ان آیات میں توحید، عبادت اور جزاء سزا کا مضمون ایک خوبصورت تعلق اور ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قرآن شریف جہاں اس کائنات کی ایک خالق و مالک برگزیدہ ہستی کے وجود کو دلائل سے ثابت کر کے دکھلاتا ہے وہاں یہ مضمون بھی بیان کرتا ہے اس کائنات کی پیدائش کی اصل غرض اسی ذاتِ واحد و یگانہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ اپنی تخلیق کی اس غرض کو پورا کرنے والے خدا کے بندے اس دنیا میں بھی اجر پاتے ہیں اور حشر کے روز بھی جب تمام انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا خدا کے یہ موحد اور عبادت گزار بندے اس کے حضور عظیم الشان اجر پائیں گے جن میں سب سے بڑا اجر محبت و وصالِ الٰہی کی شیریں لذت اور خدا تعالیٰ کی رضا ہے جو ان کو حاصل ہو گی۔

اس جگہ عبادت کو توحید اور جزاء سزا کے درمیان رکھ کر ایک خوبصورت مضمون باندھا گیا ہے اور توحید اور جزاء سزا سے عبادت کے تعلق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عبادت دراصل توحید کا عملی اظہار ہے اور اس کا آخری نتیجہ انسان جزاء سزا کے دن پائے گا۔ اور عبادت کی بہترین اور اعلیٰ شکل نماز ہے۔ اسی لئے رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ بندے سے قیامت کے دن اس کے اعمال کے بارہ میں سب سے پہلا سوال نماز کے بارہ میں ہو گا۔ اگر نمازیں ٹھیک ہوئیں تو وہ بندہ کامیاب و کامران ہو گا اور اگر یہ خراب ہوئیں تو ناکام و نامراد ہو گا۔ (ترمذی ابواب الصلوٰۃ)

دوسری طرف عبادت کا توحید کے ساتھ تعلق بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندے اور شرک کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

سیدنا حضرت مسیح موعود توحید کا عبادت کے ساتھ تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹتا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو (کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے)۔ اسی وقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلل کی روح اور حنیف دل نہ ہو" (تفسیر سورہ بقرہ حضرت مسیح موعود ص۵۵)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ وتر ہے۔ وہ خود ایک ہے اور ایک کو یعنی وحدت کو پسند کرتا ہے۔ نماز با جماعت کا وحدت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں :-

"نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے مطلب یہ

ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور
ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں
وہ تمیز جس سے خود اور خود غرضی پیدا
ہوتی ہے نہ رہے۔ .... پھر اسی
وحدت کے لئے حکم ہے کہ روزانہ نمازیں
محلے کی ... میں اور ہفتہ کے بعد شہر
کی ... میں اور پھر سال کے بعد عیدگاہ
میں جمع ہوں اور کل زمین کے مسلمان سال
میں ایک مرتبہ بیت اللہ میں اکٹھے ہوں۔
ان تمام احکام کی غرض وحدت ہے۔"
(لیکچر لدھیانہ۔ تفسیر سورہ بقرہ صفحہ ۵۴)

آیات مذکورہ بالا میں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ
کے الفاظ میں بھی نماز کے توحید کے ساتھ تعلق کو
بیان کیا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب
سے بہترین ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی خدا کی توحید
کا اعلان و اظہار ہے۔ اس پہلو سے آیت کا مطلب
ہے کہ اپنے دن میں توحید کو عملی طور پر قائم کرنے
کے لیے نماز قائم کرو۔

تمام قسم کے نفسانی بتوں کو رد کر کے اپنے مولا
کے دربار میں پنج وقت حاضری دو اور پھر نماز کے
اندر حضورِ قلب اور خشوع و خضوع کی خاطر اگر
خدا تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی عظمت و جلال کو
مدنظر رکھیں اور یہ سمجھیں کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہیں
یا کم از کم یہ کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو نماز کا حقیقی
قیام اور اس کی غرض حاصل ہو جائے گی۔ بشرطیکہ
نماز محبت اور یادِ الٰہی سے بھری ہوئی اور خالصۃً
اُس وحدہٗ لاشریک کو سامنے رکھ کر ادا کی جائے۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں:۔

"خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل لگا
رہنا چاہیئے۔ ...... ہر وقت اُس کی
یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت
ہے کہ انسان اس کے انسان کہلانے
کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ پر
کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا
حق رکھ سکتا ہے۔ ...... خدا تک
پہنچنا ایک منزل ہے۔ ..... پس جو
شخص خدا سے ملنا چاہتا ہے اور اس
کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا
ہے اُس کے واسطے نماز ایک گاڑی
ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ
سکتا ہے اور جس نے نماز ترک کر دی وہ
کیا پہنچے گا۔"
(تفسیر سورہ البقرہ حضرت مسیح موعود صفحہ ۵۲)

پھر حضور فرماتے ہیں:۔

"نماز خدا کا حق ہے اسے خوب ادا
کرو۔ ...... وفا اور صدق کا خیال رکھو
اگر سارا گھر غارت ہوتا ہو تو ہونے دو
مگر نماز کو ترک مت کرو۔ ...... یہ دین
کو درست کرتی ہے۔ نماز کا مزا دنیا کے
ہر مزے پر غالب ہے۔ لذاتِ جسمانی کیلئے
ہزاروں خرچ ہوتے ہیں اور پھر اُن کا نتیجہ
بیماریاں ہوتی ہیں اور یہ مفت کا بہشت
ہے جو اُسے ملتا ہے۔ قرآن شریف میں

(باقی صفحہ ۶۱ پر)

شہزادہ شاعر

محترم چوہدری محمد علی صاحب کے ساتھ ایک شام میں پڑھا گیا۔

تاریخ عالم میں بعض ایسے نام بہت معروف و مشہور ہیں جن کی عظمت کا سکہ دنیا مانتی ہے، ہر دَور اور ہر نسل کے آنیوالے اصحاب علم و فضل ان کی عظمتوں کے دَر پر سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ انکی نازک خیالیاں، انکی طراوتِ فکر اور انکی ذہنی تیزی اور طراری ایک عالم کیلئے حیرت و استعجاب کا باعث بنتی رہتی ہے۔ آج بھی ایسے لوگوں کے بارے میں کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ انکے افکار کی تفاسیر لکھی جاتی ہیں، انکی زندگیوں پر ریسرچ کی جاتی ہے اور آج بھی انکے بارے میں کوئی بات سنجیدگی سے کہنا علم و فضل کا کمال سمجھا جاتا ہے۔

تاریخ عالم کی ایسی معروف ہستیوں کا نام آپ نے اکثر سُنا ہوگا، اور اُنکے بارے میں اکثر پڑھا ہوگا، ان میں سے دو کا میں آج ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک نام یُونان کے مشہور و معروف نابینا شاعر ہومر کا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عالم انسانیت کا پہلا حقیقی شاعر تھا۔ یا کم از کم یہ کہ وہ ان کروڑوں شاعروں میں سے تاریخ کا پہلا شاعر ہے جس کا کچھ کلام محفوظ ہے۔ آج بھی اس حساس شاعر کی عظمت و فکر، اسکے تخیّل اسکے ادراک اور اسکی وسعتِ فکر کا اعتراف کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں دوسری مشہور شخصیت یُونان ہی کے مشہور و معرُوف فلسفی اور مفکّر افلاطون کی ہے، جس کو فلسفہ کے میدان میں شہرت عام اور بقائے دوام کا اعزاز حاصل ہے۔ اور جس کی فکری گہرائیوں اور عقلی پہنائیوں کو انسانی عقل کی زبردست ترقی کے آج کے دور میں بھی بطور حوالہ اور سند کے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دنیا بھر کے فلسفہ کے طالب علم جب فلسفہ کی الف بے پڑھنا شروع کرتے ہیں تو سب سے پہلے افلاطون کی عظمتوں کا نظّارہ کرتے ہوئے انکے سر سے ٹوپی نیچے گر جاتی ہے۔

آپ سوچ رہے ہونگے کہ مضمون پڑھنے والا یہ شخص جناب چوہدری محمد علی صاحب جیسے بانکے اور سجیلے، نادر اور نرالے، حسّاس اور گہرائیوں والے شاعر کے ذکر میں ان ابنائے زمانہ کا ذکر کس انداز اور کس طریقے سے کر رہا ہے۔ اور پھر ایک شاعر اور ایک فلسفی کا ذکر یکجائی طور پر؟ بھلا یہ کیا راز ہے؟ اور پھر ان تینوں کا عصرِ حاضر کے ایک زندہ اور متحرک شعر کہنے والے سے کیا ناطہ۔

تو عزیزانِ محترم! بات کوئی ایسی بے جوڑ بھی نہیں، میں عرض کر رہا ہوں تو صرف اتنا کہ یہ دونوں وہ بزرگانِ کرام ہیں، تاریخ عالم کے وہ نرالے سپوت ہیں، جن میں ایک قدر مشترک ملتی ہے۔ ہومر کا کلام کہیں مدون صورت میں یکجائی طور پر موجود نہیں تھا۔ افلاطون نے ساری عمر

کوئی کتاب نہیں لکھی، یہ کیا معمہ ہے؟ یہ کیا بھید ہے؟

بات اتنی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کا ذکر ان کے بعد آنے والوں نے ان کے بارے میں بعض حوالے، اشارے، کنائے حاصل ہونے پر کیا۔ تب دنیا کو پتہ چلا کہ وقت کی میلی گدڑی میں کتنے بڑے بڑے لعل چھپے تھے۔ ہومر کا ذکر تاریخ کی خستہ حال کتابوں سے نکالا گیا۔ افلاطون کا ذکر ملتا ہے تو ارسطو کی کتب میں۔

دراصل ہوتا یوں ہے کہ وقت کے یہ بڑے بڑے اپنی زندگیوں میں شناخت سے محروم رہے اور بعد میں آنے والوں نے ان کو جانا، سمجھا اور عظمت کے اس اونچے مینار پر جا بٹھایا جو اُن کا حق تھا۔

مجھے کئی بار یہ خیال آیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہومر کا کوئی دیوان کیوں نہیں ہے۔ افلاطون نے ایک یا ایک سے زیادہ کتابیں کیوں نہ شائع کیں، درحقیقت یہ میرا ہی نہیں اور بھی ایسے کئی لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونیوالا وہ سوال ہے جس کا ان کو کوئی جواب نہ مل سکا۔

حضرات! مَیں مسرت سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ مَیں اس راز کو پا گیا ہوں۔ سننے والو سُن لو اور جاننے والو جان جاؤ کہ میں نے یہ معمہ حل کر لیا ہے۔ مَیں نے یہ بھید کھول لیا ہے۔ ناظرین باتمکین آج کی یہ تقریب دراصل اپنے وقت کے ان ہمالیہ پہاڑوں کے رازوں سے آگاہی کی تقریب ہے۔ آج جو شاعر آپ کے سامنے ہے جو شاید نصف صدی سے شعر کہہ رہا ہے۔ اس کا کوئی مجموعہ کلام شائع شدہ نہیں۔ اس کا کوئی دیوان مرتّب ہو کر نہیں آیا۔ اس کے گنتی کے چند شعر شائع شدہ ہیں، اور اس کی معدودے چند نظمیں، غزلیں کسی ریکارڈ میں موجود ہیں، آج سے چند سو سال بعد جب کسی نقاد کو کسی مضمون میں شامل کسی اخبار کے صفحے پر چھپے ہوئے چند سحر طراز اشعار ملیں تو اس کا وہی حال ہوگا کہ،

ایک لمحے میں بھرے بازار سونے ہوگئے
ایک چہرہ سب پرانے زخم تازہ کر گیا

تب وہ نقاد ڈھونڈے گا، سر پیٹے گا، پرانے رسالوں، اخباروں کی گرد آلود تہوں سے مغز ماری کرے گا تب اسے اپنے وقت کے ہومر اور افلاطون کے چند اشعار چند غزلیں ملیں گی۔ اس کی تشنگی بڑھے گی۔ مگر خالی فضاؤں میں دم توڑ دے گی۔

کل کے نقاد کی تشنگی کو دور کرنے کیلئے میں نے بڑی کوشش، منت، زاری اور مشکلات سے گزر کر چند اشعار حاصل کئے ہیں۔ وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، اس درخواست کے ساتھ کہ شاید کوئی حضرت چوہدری محمد علی صاحب کو اس پر آمادہ کر سکے کہ وہ اپنا مجموعہ شائع کرا دیں۔

جناب چوہدری محمد علی صاحب کو میر کے رنگ میں اشعار کہنے والا شاعر بھی کہا جاتا ہے، مگر میں نے جسقدر جناب چوہدری صاحب کے اشعار کا مطالعہ کیا ہے اس میں مَیں نے میرؔ اور جناب چوہدری صاحب کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ پایا ہے کہ جہاں پر میرؔ کا کلام طبیعت میں غم، مایوسی اور بے چارگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے وہاں پر جناب چوہدری صاحب کے کلام کی تحریر یہ کیفیات ایک نئے انداز کا بانکپن ظاہر

کرتی ہیں۔ جناب چوہدری صاحب اپنے غم پر پشیمان یا مایوس نہیں ہوتے بلکہ اس کو اپنی ایک قیمتی میراث سمجھتے اور اس سے ایک نئی زندگی کا سراغ پاتے ہیں، ان کے ہاں غم کا احساس ایسی شوخی اور لذت کو جنم دیتا ہے جس سے روشنی، زندگی، مسرت اور توانائی کی قوس قزح پھوٹتی ہے اور جو پڑھنے والے کو جگوتی ہوئی ایک نئی حرکت کی نوید دیتی ہے۔ ان کے ہاں غم کو تسلیم کر کے اس سے صرف نباہ کا جذبہ ہی موجود نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک ان کا غم بے نیازی کی ایک ایسی چٹان پر کھڑا ہے کہ اس کے سامنے چھوٹے چھوٹے واقعات کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔

وقت کی مناسبت سے آج میں جناب چوہدری صاحب کے شعری فن کا صرف یہی ایک حصہ پیش کر سکا ہوں۔

پہلے غم کے بیان کا ایک منفرد انداز ملاحظہ کیجئے۔ آپ کہتے ہیں:

چاند نگر کے چشمے خوں اُبلتے ہیں
دریا سوکھ گئے ہیں ساحل جلتے ہیں
جاگنے والے اشکوں کی آواز نہ سُن
آنکھ کے سُورج ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتے ہیں

پھر کہتے ہیں:

عشرتِ شام غریبانِ قفس ہے مضطر
یوُں سرِ شام ستاروں کا میسّر ہونا

جناب چوہدری محمد علی صاحب نے اپنے غم کو کسقدر پُر وقار، ذی حشم اور جاہ و جلال کا مالک بنا دیا ہے۔

آنسو کے بارے میں ان کا بانکا انداز ملاحظہ ہو۔ آنسو کو اتنی عظمت بھی بھلا کس نے دی ہو گی۔

سُلگتا، سنورتا، سنبھلتا ہُوا
یہ کس دیس کا شاہزادہ گیا

یہ اَشک ہیں کہ حسینوں کے ہیں پرے کے پرے
دھلے دھلائے ہوئے بانورے بنے سنورے

ان کا ایک انداز دنیاوی خوشیوں کے پردے میں چھپی ہوئی اداسی کو تلاش کرتا ہے۔ اس انداز کو ملاحظہ کریں۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام
پھولوں کے ہیں مقبرے چمن میں

حادثات کو زندگی قرار دیکر ان سے نہ صرف مفاہمت کرتے ہیں۔ بلکہ اس بے نیازی سے ان کا ذکر کرتے ہیں کہ گویا کوئی بات ہی نہ تھی۔ یہ دراصل حادثوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونے کا انداز ہے۔

حادثہ وہ جو اَب کے سال ہُوا
حسبِ اُمّید حسبِ حال ہُوا

دل کے زخموں سے اتنا پیار شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ شعر ملاحظہ ہو۔

ترتیل سے کریں گے ہر زخم کی تلاوت
آنا تو زندگی کی تورات لے کے آنا

انہی کے فیض سے قائم ہے زندگی کی بہار
خدا کرے کہ رہیں زندگی کے زخم ہرے

بھر نہ جائے کہیں سہلانے سے
زخم کو اور بھی گہرا کر دے

دل کے غم کی گہرائی بیان کرنے کا لطف لینا ہو تو یہ شعر سنئے۔

مجھ کو اپنے غم کا اندازہ نہ تھا
غم کی دیواریں تھیں دروازہ نہ تھا

درد و غم کے ساتھ دعا کا دامن چھوٹ گیا تو پھر کیا رہ گیا۔ اسی لئے دعا کے ذریعے غم کی تلافی چاہتے ہیں۔

تو نے دردِ دل دے کر میری سرفرازی کی
اے درد کے داتا درد سے رہائی دے

موت کی نقشہ کشی آسان کام نہیں۔ لیکن جناب مضطرؔ کا انداز ہی جدا ہے۔

آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر دیکھتی نہ تھیں
کوئی بڑا عذاب نہ تھا اس عذاب سے

ایک طرف انداز کی شوخی اور بانکپن اور دوسری طرف بات جی کو خون کرنے والی۔ یہ بھی آپ ہی کا کمال ہے۔ اس رنگ میں کہے گئے اشعار کی تعداد تو بے شمار ہے۔ چند پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

مضطر جی اک کام کرونا
صبح کو رو رو شام کرونا

بار کچھ تو امانت کا ہلکا ہوا
ہاتھ کاٹے گئے سر قلم ہو گیا

ہم سے پوچھو عذاب چہروں کے
ہم بھی تھے ہم رکاب چہروں کے

اور اب چند ایک متفرق اشعار پیش خدمت ہیں۔

غیر کو مضطر ہے ناحق اعتراض
ہو گئی جس سے محبت ہو گئی

رات پروانوں کو جلتا دیکھ کر
شمع خود لینے لگی انگڑائیاں

اشک برسے تو اس قدر برسے
ڈھے گئے دل مکان بیٹھے ہیں

آپ طوفاں سے ڈر رہے ہونگے
مجھ کو کھٹکا لگا ہے ساحل کا

تو کیوں تکلفات کی سولی پہ چڑھ گیا
کافی تھے مجھ کو پیار کے دو چار بول بھی

دار و رسن سے ماپ مرے قد کو لاکھ بار
اک بار خود کو میرے ترازو میں تول بھی

لکھ رہے ہیں لوگ کیا کیا اس حسیں کی شان میں
ہم بھی کچھ لکھیں گے لیکن ناک نقشہ دیکھ کر

آنکھوں میں ہیں انا کی چٹانیں چھپی ہوئی
جیسے سمندروں میں ہمالے پڑے ہوئے

"اترا تھا چاند شہر دل و جاں میں ایک بار
اب تک ہیں آنکھوں میں اجالے پڑے ہوئے"

ان اشعار کا بانکپن، نازک خیالی، برجستگی ایسی ہے کہ جناب چوہدری محمد علی صاحب کے لئے (جو ادبی میدان میں مضطر عارفی کے نام سے لکھتے ہیں) ایک نام میرے لبوں پر مچل رہا ہے۔ یہ نام ہے "شہزادہ شاعر" کا نام!

بے شک ان کے کلام میں شہزادوں کی سی دلربائی عظمت اور خوبصورتی ہے۔

(یوسف سہیل شوق)

بقیہ - ایک سفید پرندہ از صفحہ ۳

کسی اور انسان کو اس کام کو پورا کرنے کے لیے کھڑا کردے گا جب احمدیت ساری دنیا میں پھیل چکی ہوگی۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اس چیز کو روک نہیں سکتی تو لوگوں کو تمہارے لیے عقیدت و احترام اس عزت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جو لوگ وزرائے اعظم کے لئے رکھتے ہیں۔

(ریویو آف ریلیجن ۱۹۴۷ء)

میں اپنی زندگی کے اس مختصر بیان / خاکہ کو اللہ تعالیٰ کی عنایات اور فضلوں کے تشکر پر ختم کرتا ہوں یقیناً تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

حُبِّ آلِ رسُولؐ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کس محبت کے ساتھ اور کن زوردار الفاظ میں حضرت مسیح موعود ذکر فرماتے ہیں :-

"حسین رضی اللہ عنہ طاہر و مطہر تھا۔ اور بلاشبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔ اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اس امام کی محبت الٰہی اور تقویٰ اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لیئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ ....

تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اسکی محبت ظاہر کرتا ہے"

(اشتہار تبلیغ الحق ۸؍ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

غزل

ابر بھی ہے جُھکا جھکا۔ ساقی بھی مائلِ کرم
بات سے بات چل پڑے۔ بر سرِ مطلب آمدم

وادیٔ کوہسار ہے۔ سبزہ ہے جوئبار ہے
پہلو میں گلعذار ہے۔ رقص میں آئے جامِ جم

بادِ بہار مے فروش۔ ابر ہے میکدہ بدوش
برسے شراب جُو بجُو۔ دجلہ بدجلہ۔ یم بہ یم

ساقیٔ دلنوازِ مَن۔ آج دِکھا کمالِ فن
ساغرِ نَو مئے کُہن۔ تازہ بتازہ۔ دم بدم

رنگ پہ آئے بزمِ عشق تازہ غزل ہو یوں رقم
قلب و جگر ہوں لَوح لَوح۔ تیرِ نظر قلم قلم

کُھلتے رہیں تمام رات۔ جُملہ رموزِ کائنات
جیسے کہ گُلبدن کوئی۔ زُلف کے کھولے پیچ و خم

(بریگیڈیر (ریٹائرڈ) محمد وقیع الزمان خان)

اسلام اور حفظانِ صحّت

(از آنریبل ڈاکٹر جسٹس چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب سابق صدر دی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس)

میرے نزدیک اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی اور اس کی صداقت کے دلائل میں سے ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں تکلّف یا تصنع بالکل نہیں پایا جاتا۔ جبکہ ایسی حالت میں اس کا بہت امکان تھا کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا مذہب ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی بھی یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ آپؐ نے سوائے اس تعلیم کے من وعن پہنچا دینے کے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر نازل ہوئی۔ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہا۔ اگر کوئی شخص آپ مذہب بنانے کے لیئے بیٹھے تو خواہ اُس کی نیت کتنی بھی نیک کیوں نہ ہو وہ ایسی باتوں پر ضرور زور دیگا جو روحانی امور کے متعلق سمجھی جاتی ہوں اور ان امور کو چھوڑ دے گا جن کا تعلق جسم کے ساتھ ہوگا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روح کی ترقی کے لیئے جسم کی نگہداشت بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی فلسفہ دان مذہب بنانے بیٹھتا تو وہ ضرور اس امر کو نظر انداز کر جاتا۔ مثلاً اگر ایک شخص اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق مذہب وضع کرنا چاہے تو ایسے مذہب میں یہ رنگ ضرور ہوگا کہ عبادات پر بہت زیادہ زور دیا جائے گا۔ آپ لوگ جانتے ہیں اس وقت بہت سے ایسے مذاہب موجود ہیں جن کی تعلیمات ایسی ہیں کہ نہ اُن کا کوئی جسمانی فائدہ ہے نہ رُوحانی۔ لیکن دنیا کا بہت سا حصّہ ان پر عمل کرنا اپنے لیئے برکات کا موجب سمجھتا ہے۔ بعضوں کا اصول یہ ہے کہ نفس کو مارو اور ترقی کرو۔ اور بعض مذاہب میں یہ تعلیم بھی ہے کہ اگر جسم کے بعض حصّوں کو ناکارہ کر دیا جائے تو رُوحانی ترقی ہو سکتی ہے۔ بعض سادھو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ سُکھا دیتے ہیں اور اُن کا خیال ہوتا ہے کہ اس طرح وہ روحانی ترقی کر سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ روحانی ترقی ایک ایسی شے ہے جس کا ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے اور جسم کو نقصان اور تکالیف دیکر ہم روحانی طور پر امیر ہو جائیں گے۔ اسی طرح بعض مذاہب کی عبادات میں ایسی مشقت پائی جاتی اور ایسا تکلّف پایا جاتا ہے کہ صاف پتہ لگتا ہے اس کے بنانے والی کوئی ایسی ہستی ہے جو رُوح اور جسم کے تعلق کو نہیں جانتی۔ یہ بات اسلام میں نہیں۔ اور میرے نزدیک یہ بہت بڑی دلیل ہے اس امر کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم خدا تعالیٰ کے حکم اور منشاء کے ماتحت ہے۔ اور ایسی سادگی سے یہ باتیں آپ کے تعامل میں پائی جاتی ہیں کہ دیکھ کر حیرت

ہوتی ہے۔ آپؐ نے جو کچھ سکھایا وہ کر کے بھی دکھایا۔ آپؐ نے جو تعلیم دی وہ خلق کی بہتری کے لیئے اور روح اور جسم دونوں کی تکمیل کے لیئے دی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ اپنے ایک دوست کے ہاں گئے اور دیکھا کہ اُن کی بیوی بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہے۔ انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ تمہارا بھائی تو ہمیشہ عبادت و ریاضت میں لگا رہتا ہے میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا میں اچھے کپڑے کس کے لیئے پہنوں۔ وہ صحابی وہیں رہے اور اس شخص کو عشاء کے بعد اور تہجد سے پہلے کوئی عبادت نہ کرنے دی اور اُس دن روزہ بھی نہ رکھنے دیا اور جب انہوں نے آکر یہ کیفیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بیان کی تو آپؐ نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا اور ٹھیک کیا۔ انسان پر اس کی جان کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، مہمان کا بھی حق ہے۔ اب دیکھو اگر کوئی تصنع کرتا تو کہتا تو نے بہت بُرا کیا، وہ نیک کام کرنا چاہتا تھا تو نے اُسے روک دیا۔ لیکن چونکہ آپؐ کو خالق حقیقی نے ایسی تعلیم دی تھی جس میں جسم کا لحاظ رکھنا بھی ضروری تھا اس لیئے آپؐ نے بھی یہی تعلیم دی کہ جسم کا بھی حق ادا کرنا چاہیئے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم انسانی کوئی حقیر چیز نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کھانا بھی کھاتے تھے، آپؐ نے نکاح بھی کیئے، آپؐ کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔ غرضیکہ آپؐ جملہ انسانی حقوق ادا کرتے تھے بلکہ آپؐ کی تعلیم میں یہ خصوصیت ہے کہ آپؐ نے انسانی جسم کو بھی شرف بخشا ہے جسے دوسرے مذاہب نے گرایا ہے اور روحانی ترقی میں ایک روک قرار دیا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو دعا کرتے کہ الٰہی تو نے جیسا میرا جسم خوبصورت بنایا ہے میرے خُلق کو بھی ایسا ہی بنا دے۔ گویا خوبصورت جسم خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس کا آپؐ شکریہ ادا کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مذہب کے لحاظ سے جسم کوئی حقیر چیز نہیں۔ اور بغیر جسم کے روحانی زندگی ناممکن ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جسم ایک برتن ہے اور رُوح اُس چیز کی طرح ہے جو برتن کے اندر رکھی ہو۔ یا جسم چھلکا ہے اور رُوح مغز ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر برتن کو توڑ دیا جائے تو جو چیز اس میں پڑی ہوگی وہ گر جائے گی۔ روح اور جسم میں ایک ایسا پیوند ہے کہ جسم کی خرابی کا اثر رُوح پر ضرور پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاں روح کی حفاظت ضروری ہے وہاں جسم کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی انسان عمداً اپنے جسم کو ایسی حالت میں رکھتا ہے جس کے اثرات ایسے ہوں کہ وہ مر جائے تو وہ اسلام کی رُو سے اپنا قاتل آپ ہے اور مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک قیمتی جان اس کے سپرد کی تھی جسے اس نے ضائع کر دیا۔ پس سب سے پہلی بات جو سمجھ لینی چاہیئے یہ ہے کہ روح اور جسم اسلام کی تعلیم اور قدرت کے اصول کے مطابق آپس میں ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف توجہ نہ کی جائے یا کم کی جائے تو ترقی نہیں ہو سکتی۔

اس لیئے دین کی طرف سے انسان پر یہ فرض ہے کہ رُوح کو آئندہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کیلیئے تیار کرے اور اس مکان کو جس میں روح رہتی ہے ایسا صاف ستھرا رکھے کہ روح پر بُرا اثر نہ پڑے اور اُسے

اللہ تعالیٰ کے احکام کے ماتحت ایسا کرنا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور علاوہ اس نقصان کے جو اسے بیماری وغیرہ سے ہوگا روحانی طور پر بھی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

جس طرح نماز کے لیئے طہارت اور پاکیزہ کپڑوں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مکان جس میں انسان رہے صاف ستھرا ہو اور خوراک جو وہ کھاتا ہے ایسی ہو کہ جسم اچھی طرح نشوونما پا سکے اور ترقی کر سکے۔ میری مراد یہ نہیں کہ جسم کی طرف اتنی توجہ کی جائے کہ انسان روحانی ترقی سے غافل ہو جائے بلکہ یہ ہے کہ دونوں کا آپس میں ایسا تعلق ہے کہ ایک کے بغیر دوسرا ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح انسان کو روحانی ترقی کا ثواب حاصل ہوتا ہے ویسا ہی ثواب ان احتیاطوں کا ہوگا جو آپ حفظانِ صحت کے لیئے کریں گے۔ ....

اسلام میں بعض ایسے احکام ہیں جو صحت کے لحاظ سے ہیں مثلاً وباؤں سے بچنے کے متعلق دعائیں، برتنوں کے ڈھکنے کے احکام۔ بعض چیزوں کے ننگا نہ رکھنے کا حکم۔ غرضیکہ کئی باتیں ایسی ہیں جو خالص حفظانِ صحت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جن کے نہ کرنے سے شدید نقصان پہنچ سکتے ہیں۔ آج زمانہ ایسا آگیا ہے کہ خاص طور پر جسمانی قوت کی ضرورت بڑھ گئی ہے اور سیاسی جماعتیں بھی محسوس کر رہی ہیں کہ افراد کی کثرت کی کس قدر ضرورت ہے۔ پس جو جماعت اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لیئے کھڑی ہوئی ہو اس کے لیئے مضبوط جسم اور صحت مند ہونے کی کس قدر ضرورت ہے۔ پس ہماری جماعت کے لیئے صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ایک تو ہم دوسروں کے مقابلہ میں بہت تھوڑے ہیں اور اگر پھر کمزور، نحیف اور بیمار ہوں تو دُنیا سے جو ہمارا مقابلہ ہے اس میں کس طرح پورے اُتر سکتے ہیں۔ نیز روحانی طور پر بھی ہمارے لیئے یہ امر نہایت ضروری ہے۔

اس اصولی تعلیم کے بعد مَیں بعض باتیں جو عام ہدایات کے متعلق ہیں عرض کرتا ہوں۔ اگرچہ وہ طبّی لحاظ سے ایسی مفید نہ ہوں لیکن تمدّن اور معاشرت پران کا بہت اثر پڑتا ہے۔ ہم دینِ حق کی صحیح تعلیم پیش کرنے والے اور اس کی صحیح تصویر دُنیا کے سامنے رکھنے والے ہیں تصویر کے محاسن پر تو کسی کی نظر غور کرنے سے ہی پڑتی ہے لیکن اس کے عیوب فوراً نظر آجاتے ہیں خصوصاً شرعی تعلیم کی خوبیاں تو بہت دیر سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لوگ پہلے ان خوبیوں کو ظاہر کرنے والوں کو ہی دیکھتے ہیں۔ پس اگر ہمیں دیکھتے ہی کسی کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے تو وہ کبھی ہماری باتوں کی طرف توجہ نہیں کرے گا ؛

(ایک تقریر سے اقتباس)

دیانت

فاقوں مر جائے پہ جائے نہ دیانت تیری
دُور و نزدیک ہو مشہور امانت تیری
جان بھی دینی پڑے گر تو نہ ہو اس سے دریغ
کسی حالت میں نہ جھوٹی ہو ضمانت تیری

(کلام محمود)

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کی جاری فرمودہ

تحریکات!

۱۔ بیوت الحمد۔

۲۔ تحریک جدید دفتر اوّل و دوم کا اجراء۔

۳۔ جلسہ سالانہ جوبلی کے مہمانوں کے لیئے دیگوں کی تحریک۔

۴۔ دو نئے یورپین مراکز کے لیئے تحریک۔

۵۔ افریقہ ریلیف فنڈ۔

۶۔ امریکہ میں پانچ مراکز کے قیام کی تحریک (جو اَب بڑھ گئے ہیں)

۷۔ جدید پریس کے قیام کی تحریک۔

۸۔ وقفِ جدید کو عالمی تحریک میں تبدیل کرنا۔

۹۔ تحریک جدید دفتر چہارم کا آغاز۔

۱۰۔ توسیع مکان بھارت کی تحریک۔

۱۱۔ توسیع و بحالی بیوت الذکر کی تحریک۔

۱۲۔ سیدنا بلال فنڈ کی تحریک۔

۱۳۔ دفاع بمقابلہ شُدھی۔

۱۴۔ دارالیتامیٰ کے قیام کی تحریک۔

۱۵۔ دنیا بھر کے یتیم بچوں کی پرورش۔

۱۶۔ مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کی اشاعت کی تحریک۔

پیارے آقا کی جاری فرمودہ تحریکات میں بقدرِ توفیق ہر جاں نثار نے عملی حصّہ لیا ہے اور ان کی کامیابی کیلئے دعاگو ہے محض ثواب کی نیّت سے بطور یاددہانی عرض ہے کہ احباب اِن تحریکات اور منصوبوں کی عظیم الشان کامیابی اور دُور رس اور بابرکت نتائج کے لیئے اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزانہ دعاؤں میں ہر آن مصروف رہیں۔
اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق دے —————— (ادارہ)

جماعت میں اتحاد و اتفاق کی اہمیت

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی تحریرات کی روشنی میں!

مرتبہ: منیر احمد صاحب بسمل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

(آل عمران: ۱۰۴)

"اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور پراگندہ مت ہو اور اللہ کا احسان جو اس نے تم پر کیا ہے یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی جس کے نتیجے میں تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے مگر اُس نے تمہیں بچا لیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی بعثت کا مقصد تمام دنیا کو اُمّتِ واحدہ بنانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے ضروری ہے کہ ہم جو حضور کی جماعت میں داخل ہیں اپنے اندر محبت و اخوت اور اتحاد پیدا کریں۔

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے باہمی محبت و اخوت اور اتحاد و اتفاق پر بہت زور دیا ہے اور بار بار اپنی تحریرات اور تقاریر میں اپنے ماننے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت کا سلوک کرنے اور آپس میں اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے

کی نصائح فرمائی ہیں۔ آپ کی یہ نصائح ایسی ہیں کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اِن کو حرزِ جان بنائیں اور اِن پر عمل پیرا ہوں۔ یہ جماعت کی اجتماعی ترقی اور افرادِ جماعت کی انفرادی بہبود کے لیئے بہت ضروری ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔ وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہوکر جھوٹے کی طرح تذلّل اختیار کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لیئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو اِن باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے مُنہ سے نکلیں اور مَیں نے بیان کیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا اور نہیں بخشتا۔ سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۲-۱۳)

"جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۹)

پھر ایک اَور جگہ حضور فرماتے ہیں:۔

"ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جب تک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جسے پوری طاقت دی گئی ہے وہ کمزور سے محبت کرے۔ مَیں سُنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اُس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اُس کے لیئے دُعا کرے۔ محبت کرے اور اُسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے۔ مگر بجائے اِس کے کینے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر عفو نہ کیا جائے اور ہمدردی نہ کی جائے اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض، بعض کی ہمدردی کرکے پردہ پوشی کی جاوے۔ جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہوکر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں ایک شخص کا بیٹا ہو اور اس سے کوئی قصور سرزد ہو تو اُس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھایا جاتا ہے۔ اس طرح پر بھائی بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے اور کبھی

نہیں چاہتا کہ اس کے لیئے اشتہار دے پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں ؟ یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو بھی یہی طریق یعنی نعمتِ اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وہ اخوت نہ ملتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُن کو ملی۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کرے گا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بڑی امیدیں ہیں، اس نے وعدہ کیا ہے جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کریگا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلاء کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسروں کا شکوہ کرنا، دلآزاری کرنا اور سخت زبانی کرکے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔

اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے امیر، غریب، بچے، جوان، بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں۔ ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں۔ گو باپ جدا جدا ہوں مگر آخر تم سب کا روحانی باپ ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۴۸-۳۴۹۔ الحکم ۲۴؍اگست ۱۹۰۲ء)

ایک اَور موقع پر حضور نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :-

"اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی اور اختلاف کو چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کو ترجیح دیوے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۶۶-۲۶۷)

ایک اَور مقام پر اس طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ آپ کا آنا خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام اور ایک ایسی جماعت کے قائم کرنے کے لیئے ہے جس کی بنیاد ہی محبت، اخوت اور ہمدردی کے جذبات پر رکھی گئی ہو آپ نہایت پُر اثر الفاظ میں اپنے جاں نثاروں کو ایک دوسرے سے پیار اور حُسنِ سلوک سے رہنے

کی نصیحت فرماتے ہیں اور اس ضمن میں بلاوجہ بحثوں اور نفسانی جھگڑوں سے بچنے کے لیئے تلقین کرتے ہوئے کس دردمندی کے ساتھ فرماتے ہیں :-

"جماعت کے باہم اتفاق و محبّت پر مَیں پہلے بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم وجودِ واحد رکھو ورنہ ہوا نکل جائیگی۔ نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لیئے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی قوت کی طرح ایک کی خیر دوسرے میں سرایت کرے گی۔ اگر اختلاف ہو، اتحاد نہ ہو تو پھر بے نصیب رہو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کیلیئے غائبانہ دعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیئے بھی ایسا ہی ہو کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ اگر انسان کی دعا منظور نہ ہو تو فرشتہ کی تو منظور ہوتی ہے۔ مَیں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔

مَیں دو ہی مسئلے لیکر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبّت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لیئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ۔ یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیئے پسند کرے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے وہ مصیبت اور بلا میں ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں۔ مَیں ایک کتاب بنانیوالا ہوں اس میں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائینگے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازیگر نے دس گز کی چھلانگ ماری ہے دوسرا اس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے اور اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بغض کا جُدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پوری نہ ہوگی۔ وہ ضرور ہوگی تم کیوں صبر نہیں کرتے۔ جیسے طبی مسئلہ ہے کہ جب تک بعض امراض میں قلع قمع نہ کیا جاوے مرض دفعہ نہیں ہوتا۔ میرے وجود سے انشاءاللہ ایک صالح جماعت پیدا ہوگی۔ باہمی عداوت کا سبب کیا ہے۔ بخل ہے۔ رعونت ہے۔ خود پسندی ہے اور جذبات ہیں۔ مَیں نے بتلایا ہے کہ مَیں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کر دوں گا جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے۔ جو ایسے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں۔ جب تک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں مَیں کسی کے سبب سے اپنے اُوپر اعتراض

لینا نہیں چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے۔ اُس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے۔ خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اُس کو سرسبز نہیں کر سکتا بلکہ وہ شاخ دوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو۔ میرے ساتھ وہ نہ رہے گا جو اپنا علاج نہ کرے گا۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۴۸-۴۹)

۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر چند ایک نئے احمدیوں کی طرف سے ایسے طرزِ عمل کا اظہار ہوا جو باہمی محبت و اخوت کے منافی تھا حضور نے افسوس کرتے ہوئے احبابِ جماعت کو محبت و اخوت کی بنیادی اہمیت کو سمجھنے اور اپنے اندر کامل اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی اور ایک اشتہار کے ذریعہ نہایت درد انگیز پیرائے میں احبابِ جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :۔

"یہ جلسہ ایسا تو نہیں ہے کہ دنیا کے میلوں کی طرح خواہ نخواہ التزام اس کا لازم ہے بلکہ اس کا انعقاد صحتِ نیت اور حسنِ ثمرات پر موقوف ہے ورنہ بغیر اس کے ہیچ۔ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو اور تجربہ شہادت نہ دے کہ اس جلسہ سے دینی فائدہ یہ ہے اور لوگوں کے چال چلن اور اخلاق پر اس کا یہ اثر ہے تب تک ایسا جلسہ صرف فضول ہی نہیں بلکہ اس علم کے بعد کہ اس اجتماع سے نتائج نیک پیدا نہیں ہوتے ایک معصیت اور طریق ضلالت اور بدعت شنیعہ ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ حال کے بعض پیرزادوں کی طرح صرف ظاہری شوکت دکھانے کے لئے اپنے مبائعین کو اکٹھا کروں۔ بلکہ وہ علتِ غائی جس کے لئے میں حیلہ نکالتا ہوں اصلاح خلق اللہ ہے۔ پھر اگر کوئی امر یا انتظام موجبِ اصلاح نہ ہو بلکہ موجب فساد ہو، تو مخلوق میں سے میرے جیسا اس کا کوئی دشمن نہیں۔ اور اخی مکرم حضرت مولوی نور الدین صاحب سلمہ تعالےٰ بارہا مجھ سے یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور للّٰہی محبت باہم پیدا نہیں کی۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر اور اس عاجز سے بیعت کر کے اور عہد توبہ نصوح کر کے پھر بھی ویسے کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں کی طرح دیکھتے ہیں۔ وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آدیں۔ اور انہیں سفلہ اور خود غرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خود غرضی کی بناء پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بدامن ہوتے ہیں۔ اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کر لیتے ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں۔ اور اگرچہ نجیب اور سعید بھی ہماری جماعت میں بہت بلکہ یقیناً دو سو سے زیادہ ہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ جو نصیحتوں کو سن کر روتے اور عاقبت کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر نصیحتوں کا عجیب اثر ہوتا ہے

لیکن مَیں اس وقت کج دل لوگوں کا ذکر کرتا ہوں اور
مَیں حیران ہوتا ہوں کہ خدایا یہ کیا حال ہے۔ یہ کونسی
جماعت ہے جو میرے ساتھ ہے۔ نفسانی لالچوں پر
کیوں ان کے دل گرے جاتے ہیں اور کیوں ایک
بھائی دوسرے بھائی کو ستاتا اور اس سے بلندی
چاہتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز
درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی
کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک
بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری
کے زمین پر سوتا ہے اور مَیں باوجود اپنی صحت اور
تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا وہ اس پر بیٹھ
نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر مَیں نہ
اُٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی
اس کو نہ دوں اور اپنے لیئے فرش زمین پسند نہ کروں۔
اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے
تو میری حالت پر حیف ہے اگر مَیں اس کے مقابل پر
امن سے سو رہوں اور اس کے لیئے جہاں تک میرے
بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں۔ اور اگر
کوئی میرا دینی بھائی اپنی نفسانیت سے مجھ سے کچھ
سخت گوئی کرے تو میری حالت پر حیف ہے اگر مَیں
بھی دیدہ و دانستہ اس سے سختی سے پیش آؤں بلکہ
مجھے چاہیئے کہ مَیں اس کی باتوں پر صبر کروں اور اپنی
نمازوں میں اس کے لیئے رو رو کر دعا کروں کیونکہ وہ
میرا بھائی ہے اور روحانی طور پر بیمار ہے۔ اگر میرا
بھائی سادہ ہو یا کم علم یا سادگی سے کوئی خطا اس سے
سرزد ہو تو مجھے نہیں چاہیئے کہ مَیں اس سے ٹھٹھا کروں
یا چیں بر جبیں ہو کر تیزی دکھاؤں یا بدنیتی سے اس
کی عیب گیری کروں کہ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں۔
کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم
نہ ہو۔ جب تک وہ اپنے تئیں ہر یک سے ذلیل تر نہ
سمجھے اور ساری مشیختیں دُور نہ ہو جائیں۔ خادم القوم
ہونا مخدوم بننے کی نشانی ہے اور غریبوں سے نرم
ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبولِ الٰہی ہونے کی علامت
ہے اور بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے
آثار ہیں اور غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت
درجہ کی جوانمردی ہے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں
ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں نہیں۔ ....

(مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۴۴۱ تا ۴۴۳)

اس گزارش کو حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی
دردمندانہ دعا پر ہی ختم کرتا ہوں۔ جو حضور نے
احباب جماعت میں باہمی محبت و اخوت، ہمدردی
و غمخواری اور اتحاد کے لیئے کی ہے۔ حضور
فرماتے ہیں:۔

"مَیں دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ
میں دمِ زندگی ہے کیئے جاؤں گا۔ اور
دعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس
جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور اپنی
رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی
طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے
ان کے دلوں سے اُٹھا دے اور باہم
سچی محبت عطا کر دے۔ اور مَیں یقین
رکھتا ہوں کہ یہ دعا کسی وقت قبول
ہو گی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع
نہیں کرے گا۔

ہاں مَیں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لیے یہ مقدّر ہی نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اُس کو حاصل ہو تو اُس کو اے قادر خدا! میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے۔ اور اُس کی جگہ کوئی اَور لا جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنے والے سے مَیں ایسا ڈرتا ہوں جیسا کہ کوئی شیر سے۔ اسی وجہ سے مَیں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا میرے ساتھ پیوند کرے۔"

(اشتہار التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء)

فرمودات حضرت مسیح موعود

- "وہ خدا جس کے ملنے سے انسان کو نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔
- قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہہ میں بڑے بڑے نایاب اور بیش بہا گوہر ہیں۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۹۴)

- "جھک کر بات کرنا مقبول الٰہی ہونیکی علامت ہے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۱۰۱)
- "توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۸۳۹)

عمان

مکرم محمود مجیب اصغر صاحب - لاہور

رقبہ اور محل وقوع اور عمومی تعارف

سلطنت عمان جسے بعض لوگ پاکستان میں غلطی سے " اومان " بھی لکھتے ہیں اور جو اپنے دارالحکومت مسقط کے نام سے بھی مشہور ہے جزیرہ نما عرب میں سعودی عرب کے بعد سب سے بڑا ملک ہے اور یہ جزیرہ نما عرب کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً تین لاکھ مربعہ کلومیٹر ہے

عمان کے شمال مغرب میں متحدہ عرب امارات مغرب میں سعودی عرب، جنوب مغرب میں عوامی جمہوریہ یمن واقع ہیں۔ اس کا ساحل سمندر ایک ہزار سات سو کلومیٹر لمبائی میں شمال میں خلیج عمان سے لے کر جنوب میں بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا ہے جیسا کہ نقشے سے ظاہر ہے۔ جو تین ہزار میٹر تک بلند ہے

عمان کے بعض حصے ریگستان، بعض زرخیز اور ہموار (عموماً ساحل سمندر کے ساتھ) اور بعض پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہیں پہاڑی سلسلے تین ہزار کی بلندی تک جاتے ہیں۔

عمان کی آبادی پندرہ بیس لاکھ افراد پر مشتمل ہے یہاں کے باشندے عموماً عربی النسل ہیں تاہم ہندو پاکستان و مشرقی افریقہ کی بعض قومیں بھی عمان میں آباد ہیں یہاں عربی زبان بولی جاتی ہے اور یہی سرکاری زبان بھی ہے۔

عمان کا دارالحکومت مسقط ہے دارالحکومت میں مسقط کے ارد گرد کئی شہروں کو شامل کر کے اسے العاصمہ یعنی CAPITAL کا نام دیا گیا ہے العاصمہ کی آبادی تقریباً پچاس ہزار نفوس پر مشتمل ہے عمان کے باقی شہروں میں سے نزوی صلالہ، صحار اور رستاق خاص طور پر مشہور ہیں۔

یہاں اکثر مسلمان فرقہ اباضیہ سے متعلق ہیں تاہم ایک قلیل تعداد سنیوں اور شیعوں کی بھی پائی جاتی ہے۔

عمان ایک سلطنت ہے اور یہاں کا سلطان قائمقام وزیر اعظم بھی ہے وہ وزیروں کی کونسل کی خود صدارت کرتا ہے۔ جنوب میں ظفار کی

انظامیہ سلطان کے ماتحت اس سے الگ ہے۔

عمان کا موسم زیادہ تر گرم اور خشک رہتا ہے گرمیوں میں موسم گرم مرطوب ہوتا ہے جہاں ساحل کے ساتھ درجۂ حرارت ۴۷ سنٹی گریڈ تک اور ہوا میں نمی ۸۵ فیصد تک پہنچ جاتی ہے سردیوں میں درجۂ حرارت ۱۶ سے ۳۲ سنٹی گریڈ رہتا ہے عموماً نومبر سے مارچ تک کا موسم خوشگوار شمار ہوتا ہے

عمان کا زرعی رقبہ ۹۰ ہزار ایکڑ کے لگ بھگ ہے تقریباً ۵۰ فیصد آبادی کا انحصار زراعت اور ماہی گیری پر ہے۔ عمان تانبے کی وجہ سے زمانہ قدیم سے مشہور رہا ہے اس لئے اس کی معدنیات میں تانبے کو اولیت حاصل ہے۔ عمان میں تیل تقریباً پندرہ بیس سال قبل نکلنا شروع ہوا جس کی پیداوار ۱۳۴ ملین بیرل ہے

عمان عرب لیگ کا رکن ہے یہاں آمد و رفت عموماً سڑکوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ بیرون ملک لوگ عموماً ہوائی جہاز سے آتے ہیں انٹرنیشنل ایئر پورٹ السیب (A'SEEB) کے فاصلے پر ہے عمان میں ویزے کافی مشکل سے لگتے ہیں اور ٹورسٹ یا ٹرانسزٹ TRANSIT ویزے جاری نہیں ہوتے۔

عمان میں کرنسی کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں اور کسٹم برائے نام ہے کرنسی کا نام عمانی ریال ہے ایک ریال عمانی تقریباً ۴۵ روپے (پاکستانی) کے برابر ہے۔

عمان سے الوطن، عمان، خلیج/ ہفت روزہ آئینہ، ٹائمز آف عمان اور اخبار عمان جاری ہوتے ہیں یہ تو اخبارات ہیں۔ رسالوں میں العقیدہ (ہفت روزہ) الاسرار (ہفت روزہ) تجارت اور النھضہ (پندرہ روزہ) زیادہ مشہور ہیں۔

عمان میں دنیا بھر کے ساتھ ٹیلیفون، ٹیلکس اور ڈاک کی سہولتیں موجود ہیں، ملک کے اندر ہوائی جہاز اور پبلک بس کی سہولتیں میسر ہیں عمان میں اسلامی ماحول ہے اور قانون کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے سر عام شراب پینا منع ہے۔

سرکاری دفتروں کے اوقات صبح ساڑھے سات سے دو بجے بعد دوپہر تک اور پبلک سیکٹر میں صبح آٹھ بجے سے ایک بجے ظہر تک اور چار بجے سے چھ بجے بعد دوپہر ہیں۔ جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے۔ اور جمعرات کو سرکاری دفاتر میں ایک گھنٹے کی تخفیف ہے۔

مختصر تاریخ

جزیرہ نما عرب میں سلطنتِ عمان قدیم ترین تہذیبوں میں سے شمار ہوتی ہے اور ہزاروں سالوں سے بحری اور بری راستوں سے وہاں تجارت ہوتی رہی ہے۔

۱۵۰۷ء سے ۱۶۵۰ء تک عمان کی شمالی بندرگاہیں (اور ساحلی علاقہ) پرتگالیوں کے قبضہ میں آ گیا تھا لیکن اس کے بعد عمانیوں نے نہ صرف اپنے علاقے خالی کروائے بلکہ

سمندر پار زنجبار، فارس کا کچھ جنوبی حصہ اور
بلوچستان کا کچھ علاقہ ان کے قبضے میں آگیا اور اس
دور میں صنعت و تجارت نے وہاں خوب ترقی کی۔

سلطان سید سعید بن سلطان کی ۱۸۵۶ء میں وفات
کے بعد مملکت عمان اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوگئی
ایک کو ورثہ میں سلطنتِ عمان اور دوسرے کو
زنجبار ملے۔

عمان میں تیل کی دریافت ۱۹۶۰ء کے لگ
بھگ ہوئی اور ۱۹۷۰ء سے جلالۃ الملک سلطان قابوس
بن سعید کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد عمان اقتصادی
اور معاشی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو
گیا ہے۔

تاریخ میں عمان تانبے کی معدنیات کے حوالے
سے چار ہزار قبل مسیح سے مشہور چلا آرہا ہے اس
وقت یہ اپنے پرانے نام مجان MAGAN کے
نام سے پکارا جاتا تھا یہ مقام موجودہ صحار
SOHAR کے قریب اب بھی تانبے کی
مائننگ کی وجہ سے مشہور ہے اس کا ایک اور
پرانا نام مازون MAZOON بھی لیا جاتا ہے۔
قدیم زمانہ میں گاؤں والے خود ساختہ بھٹیوں میں
کچ دھات (تانبا) کے ٹکڑے ڈال کر انہیں خوب
(۱۱۰۰ سنٹی گریڈ درجہ حرارت تک) گرم کرتے تھے
اور اس میں کوئلہ ملا کر تانبے کو گلایا جاتا تھا اس
طرح تانبا پگھل کر الگ ہو جاتا تھا بحرین کے عجائب
گھر میں اب بھی اس زمانے کے ٹکڑے پڑے ہیں
آج عمان میں تانبے کو صاف کرنے کا ایک جدید
پلانٹ لگا ہوا ہے جو دوبئی اور مسقط کے وسط میں
صحار کے ضلع (ولایۃ) میں مجان کے مقام پر کام کر
رہا ہے۔

عمان کا جنوبی علاقہ ظفار تاریخ میں لوبان
کی پیداوار کے لحاظ سے بھی مشہور چلا آرہا ہے۔
لوبان کی تجارت ظفار میں اتنی ترقی کر گئی کہ تجارت
کی بدولت جنوب کا علاقہ بہت دولت پیدا کرنے
لگا تھا مصر تک اس کی مانگ محسوس ہونے لگی چھ
سو قبل مسیح میں لوبان کی مانگ یونان۔ شام۔ فارس
اور بعد میں روم تک بڑھ گئی لوبان کو اس زمانے
میں جو اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس بات
سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سکندر اعظم جب
غزہ میں تھا تو اس نے لوبان کی کچھ مقدار یونان میں
اپنے مذہبی پیشوا کو بھجوائی تھی لوبان کی تجارت
چین تک پھیلی ہوتی تھی۔ چین میں دستاویزی ثبوت
ملا ہے کہ ۱۰۷۷ء میں تقریباً ۱۸۰ کلوگرام لوبان
ظفار کی بندرگاہ سے کینٹن کی بندرگاہ تک بحری
رستے سے بھجوائی گئی کہتے ہیں ملکہ سبا نے حضرت
سلیمانؑ کو تحفہ میں جو لوبان بھیجا تھا وہ بھی ظفار
سے بھیجا گیا تھا کیونکہ ظفار کا علاقہ یمن اور عمان
کی سرحد پر واقعہ ہے اور ملکہ سبا کا پایۂ تخت
اسی علاقہ میں تھا جہاں آج کل حضرت ایوبؑ
کی قبر بھی دریافت ہوئی ہے آج کل ظفار کا
دارالخلافہ "صلالہ" نام سے پکارا جاتا ہے جہاں
مسقط کے بعد ایک ایئر پورٹ اور ایک بندرگاہ
بھی ہے۔ کھجور اور مچھلی کی تجارت بھی عمان میں

قدیم سے کی جاتی ہے اب بھی عمان کی سب سے بڑی پیداوار کھجور اور مچھلی ہے جو عمانی خود بھی کثرت سے کھاتے ہیں اور ایکسپورٹ بھی کرتے ہیں۔

جہاز رانی اور بحری تجارت عُمان کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے آٹھویں صدی میں ابو عبید عبداللہ بن القاسم نے چین کی بندرگاہ کینٹن تک بحری سفر کیا ابتدائی زمانے میں صحار (عُمان) کی دولت کا راز اس کی بحری تجارتی رستہ پر محل وقوع میں تھا نومبر ۱۹۸۰ء میں "صحار" نامی ایک جہاز بنایا گیا جو دسویں صدی کی طرز پر تھا یہ جہاز ایک سال کے عرصہ میں اسی رستے سے گزرتا ہوا کینٹن (چین) پہنچا جس رستے پر ابو عبیدہ عبداللہ بن القاسم جہاز لے کر گئے تھے۔ عمان کو اپنے شاندار ماضی پر خاص فخر ہے۔

۱۸۴۰ء میں سلطان سید سعید نے "سلطانہ" نامی تجارتی جہاز امریکہ کی طرف بھیجا یہ پہلا عربی جہاز تھا جو امریکہ کی بندرگاہ "نیویارک" کے مقام پر ۱۳ اپریل ۱۸۴۰ء کو لنگر انداز ہوا "سلطانہ" جہاز کی امریکہ آمد ایک عظیم واقعہ شمار کیا جاتا ہے۔

پی ایس راما ناتھن نے خلیج ٹائمز کے بچوں کے رسالہ "ینگ ٹائمز" میں ۲۵ ستمبر ۱۹۸۶ء عمان کے قلعوں پر ایک مضمون لکھا جس میں بعض حقائق کی بنا پر لکھا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں صحار (یعنی عُمان) دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ شمار کی جاتی تھی اور عمانی بحریہ کو پورے خلیج اور بحرِ ہند پر فوقیت حاصل تھی پرتگالیوں نے عمان کے ساحلی شہروں میں بے شمار قلعے بنا رکھے تھے۔ تاکہ ان کے جہاز بغیر خوف و خطر اس راستے سے گزر سکیں۔

عمان میں اسلام کی آمد

کہتے ہیں کہ عُمان کے باشندے ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی اسلام میں داخل ہونے کی رضاکارانہ طور پر توفیق ملی اور عمانی عربوں کو اسلام کا پیغام جزیرہ نما عرب سے باہر مشرقی افریقہ تک پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اہلِ عُمان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں خوش ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ غبیرہ (یعنی عمان) کے لوگوں کو برکت دے جنہوں نے مجھے دیکھے بغیر قبول کر لیا [1]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضور ؐ نے فرمایا:۔

"میں ساحل سمندر پر واقع ایک عرب خطہ زمین کو جانتا ہوں جس کا نام عُمان ہے اس خطہ ارض کی ایک بار زیارت کرنا دوسرے خطہ ہائے ارض کی دو بار زیارت کرنے سے بہتر ہے [2]

کہتے ہیں کہ عمان میں دو بھائیوں عبدؓ اور جیفرؓ جو جلندی بن المستکبار کے بیٹے تھے کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اس زمانے میں عُمان پر فارس کی حکومت تھی اور لقیط عُمان کا حکمران تھا جب

حاشیہ ۱ و ۲ بحوالہ خلیج ٹائمز سپیشل رپورٹ سلطنت آف عمان) ۱۶ ر نومبر ۱۹۸۶ء

گورنر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو اس گستاخی کے نتیجے میں کسریٰ فارس اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں قتل کیا گیا اس اقتداری معجزہ کو دیکھ کر یمن کا گورنر مسلمان ہو گیا انہی دنوں عبدؓ اور جیفرؓ عمان سے لقیط کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور خود عمان کی باگ دوڑ سنبھال لی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب کے بدو کثرت سے مرتد ہو گئے تو عمان میں بھی مرتدین کے ساتھ مل کر لقیط نے دوبارہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس سے قبل جیفرؓ عمان کے حکمران تھے لقیط نے جیفرؓ کو عمان سے باہر نکال دیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہؓ کو لقیط کو سزا دینے کے لئے روانہ کیا اور یمامہ میں حضرت عکرمہؓ کو بھی ارشاد بھجوایا کہ اگر عمانی اسلام قبول نہ کریں تو حذیفہؓ کے ساتھ مل کر لقیط سے جنگ کرو لقیط تیس ہزار لشکر کے ساتھ چھ ہزار مسلمان مجاہدین کے مقابلے میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا لقیط کی فوجیں درہم برہم ہو گئیں اور بے حواس ہو کر بھاگنے لگیں جن میں سے دس ہزار قتل ہوئے اور چار ہزار کو گرفتار کر لیا گیا۔ عمان میں فتنہ ارتداد کے خاتمہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہؓ کو عمانیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے عمان میں متعین فرمایا۔

اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب امیر معاویہ گورنر شام کے ساتھ معرکہ آرائی کرنی پڑی تو اس وقت حضرت علیؓ کی فوج میں عمانی بھی شامل تھے جنگ بند کرنے کے موقع پر جو لوگ حضرت علیؓ سے ناراض ہو کر حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے ان میں عمانی شامل تھے۔

حضرت علیؓ کو دھوکے سے جب ثالث کے ذریعے خلافت سے دستبردار ہونے کے بارہ میں کہا گیا تو اس صورت حال سے ناخوش ہو کر یہ لوگ واپس عمان آ گئے اور ۴۰ ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت نہ کی بلکہ اپنے میں سے ایک "امام مقرر کر لیا جہاں سے فرقہ اباضیہ کا آغاز ہوا۔ دنیائے اسلام میں یہ فرقہ عمان اور مراکش میں اب بھی پایا جاتا ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ کے دوسرے جانشین کے زمانہ میں عمان میں جماعت کو متعارف کرنے کی جو کوشش کی گئی اس کی تفصیل تاریخ احمدیت جلد سیزدہم کے صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱ پر دی گئی ہے۔ ابھی ماضی قریب میں ایک دو مقامی خاندانوں کے بارے میں علم ہوا ہے جنہیں مشرقی افریقہ میں زنجبار میں احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی اور وہ عمان میں آباد ہیں۔

عمان کی موجودہ جغرافیائی و انتظامی تقسیم

موجودہ عمان مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ العاصمہ یعنی کیپٹل ایریا: یہ گنجان ترین علاقہ ہے جو مسقط کے تاریخی شہر اور اس کے اردگرد کے شہروں اور قصبوں پر مشتمل ہے مسقط کے پاس خلیج عمان نہایت خوبصورت شکل پیش کرتا ہے اس کے ساتھ

مطرح ہے جس میں "بندرگاہ قابوس" واقع ہے روی کا تجارتی علاقہ، بوشر کا تاریخی علاقہ بھی اس میں شامل ہیں اس کے علاوہ السیب (A'SEEB) کا علاقہ جہاں بین الاقوامی ہوائی اڈہ واقع ہے بھی العاصمہ میں شامل ہے

العاصمہ میں چار ولایات، (ولایت ایک ضلع کے کے مترادف ہے) شامل ہیں۔

(i) ولایۃ مسقط۔

(ii) ولایۃ مطرح۔

(iii) ولایۃ سیب

(iv) ولایۃ بوشر

روایتی طور پر العاصمہ (دارالسلطنت) مسقط کے نام سے مشہور رہے۔

۲۔ الباطنہ: باطنہ کا علاقہ مسقط سے شمال مغرب کی سمت میں ساحل سمندر کے ساتھ متحدہ عرب امارات تک تقریباً پونے تین سو کلومیٹر لمبائی میں پھیلا ہوا ہے اس علاقہ کی چوڑائی ۱۰ سے ۳۰ کلومیٹر کی وہ زرخیز پٹی ہے جو ساحل سمندر اور غربی حجر کے درمیان واقع ہے اس پٹی کا ۲ سے ۵ کلومیٹر چوڑا ساحل سمندر کے ساتھ علاقہ نہایت زرخیز ہے۔ جس میں زراعت ہوتی ہے اور گنجان آبادیاں بھی اس پٹی میں قائم ہیں۔ الباطنہ میں جو ولایات شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں ۔

برکا، مصنعہ، السویق، الخابورہ، صحم، صحار، لوی، شناص صحار الباطنہ کا کیپٹل شمار کیا جاتا ہے۔

۳۔ مغربی الحجر: یہ پہاڑی سلسلہ شمال میں متحدہ عرب امارات سے جنوب میں وادی معاول کی طرف ساحل سمندر کے متوازی ہے اس کی بلند ترین چوٹی سمندر سے ۳،۰۷۵ کلومیٹر بلند جبل اخضر میں جنوب مغرب میں واقع ہے اس علاقے میں کئی آبادیاں ہیں زیادہ مشہور الرستاق، عوابی، نخل اور وادی معاول ہیں رستاق پرانا دارالسلطنت بھی رہ چکا ہے

۴۔ داخلیہ (الجوف): یہ عمان کا درمیانی ہموار میدان ہے جو جبل اخضر سے شمالاً جنوباً ڈھلوان پر ہوتا ہوا جنوب کی طرف ریگستان سے جا ملتا ہے اس کے مغرب کی طرف ظاہرہ کا علاقہ اور مشرق کی طرف شرقیہ کا علاقہ ہے اس میں چار مشہور وادیاں۔ بعثہ، حلافین بہلا اور سمائل ہیں۔ حلافین اور سمائل کی وادیاں الحجر کے پہاڑی سلسلہ میں ایک قدرتی راستہ بناتی ہیں جو مسقط کو داخلیہ کے ساتھ ملاتا ہے داخلیہ کے مشہور شہروں میں نزوی۔ بھلا، سمائل، ازکی، مناح، بدبد اور آدم شامل ہیں۔

۵۔ ظاہرہ: یہ عمان کا نیم صحرائی علاقہ ہے جو مغربی حجر کی جنوبی بغل سے ربع خالی تک پھیلا ہوا ہے اس کے ارد گرد شمال میں ینقل، جو اور بریمی کے مقامات ہیں اور جنوب میں جبل الکور اور مشرق میں زیارین مناح ہیں۔

اس علاقے میں مشہور آبادیاں دو بڑی وادیوں۔ وادی ضنک اور وادی العین پر واقع ہیں جن میں زیادہ مشہور شہر ضنک (DANK) عبری اور ینقل اور حمری ہیں۔

۶۔ جو اور بریمی: ظاہرہ کا شمالی پھیلاؤ جو (JAU)

کہلاتا ہے اس مختصر علاقے میں جو متحدہ عرب امارات اور مغربی حجر کے درمیان میں ہے زیادہ تر آبادی بریمی کے نخلستان میں واقع ہے مشہور شہر بریمی اور محضنہ ہیں۔

۷۔ شرقیہ:۔ شرقیہ کا علاقہ ریتلے میدانوں اور وادیوں پر مشتمل ہے جو مشرقی حجر کے سلسلہ کے اندر واقع ہے اس کے ارد گرد جنوب مشرق میں جعلان۔ بدایہ قابل اور سیناء ہیں اور جنوب میں وہبیہ کا ریتلا علاقہ ہے۔

جعلان:۔ اس علاقے کے مشہور شہر ابرا، مضیبی، صمد بدایہ، قابل اور سینار ہیں۔ جعلان ایک ریتلا میدان ہے شرقیہ کی جنوبی وسعت ہے اور بحیرہ عرب تک پھیلا ہوا ہے اس کے ارد گرد شرقی حجر اور جنوب کی طرف وہبیہ کا ریتلا علاقہ ہے اس علاقے کے مشہور شہر بلاد بنی بوعلی، بلاد بنی بوحسن دافی اور کاہل ہیں۔

شرقی الحجر:۔ عمان کے اس علاقہ میں قریات، وادی بنی خالد، وادی ضیما اور تیئم کے شہر شامل ہیں۔

۹۔ برلحکمان: یہ علاقہ تقریباً ساڑھے چھ سو مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل ہے جزیرہ مصیرہ شرق میں واقع ہے اور چودہ کلومیٹر چوڑی بحیرہ کے ذریعہ عمان سے الگ ہوتا ہے بر کا علاقہ نمک کے میدان اور بعض موقعوں پر سمندر پانچ کلو میٹر نمک کا بری ایریا شامل ہے اکثر آبادی جزیرہ مہاوت پر واقع ہے اور لوگوں کا کاروبار مچھلی پکڑنا ہے۔

۱۰۔ جنوبی ریجن: ظفارہ عمان کا ½ حصہ جنوبی ریجن میں شامل ہے جس کی حدیمن سے جا ملتی ہے ساحلی

میدان صلالہ کے مغرب میں ریئوت کے علاقہ پر جو آٹھ کلومیٹر سے زیادہ چوڑا نہیں ہے لیکن زرخیز مٹی جو سمندر کے پانی کے عمل سے بنی ہے جون اور ستمبر کے درمیان مون سون کی بارشوں سے خوب گیلا ہو جاتی ہے بارشیں پہاڑ کے اوپر اُگے ہوئے درختوں کی آبپاشی کا کام بھی کرتی ہے جو ساحل سمندر سے پندرہ سو میٹر بلند ہے شمال مغرب کی طرف اس ریجن کی سرحد سعودی عرب کے ساتھ جا ملتی ہے جو ربع خالی سے ملحق ہے ظفارہ میں مشہور شہروں اور دیہاتوں میں صلالہ، طاقہ، میرباط، سُدّ، ثربیت، ریخوت، دلکوت، شلیم اور رکمتین قابلِ ذکر ہیں۔

کہتے ہیں ملکہ سبا کا محل بھی اسی ریجن میں تھا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں اور اس جگہ کو سمہورم (SUMHURAM) کہتے ہیں صلالہ کے اوپر پہاڑوں میں ایک قبر بھی دریافت ہوئی ہے جسے حضرت ایوب نبیؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس قبر کے ساتھ حکومت عمان نے ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ جس کا نام مسجد نبی ایوبؑ رکھا گیا ہے۔

عمان کی دوسری بڑی بندرگاہ صلالہ میں واقع ہے۔

۱۱۔ مسندم:۔ مسندم کا علاقہ عمان کے شمال میں متحدہ عرب امارات سے عمان کو کاٹتا ہوا ایک علاقہ ہے اس کے ناہموار پہاڑ ساحل سمندر سے ۱۸۰۰ میٹر بلند ہیں اور جس کا ساحل آبنائے ہرمز میں دھنسا ہوا ہے۔

کب اور کیسے ؟

(مرسلہ: منصور طاہر صاحب ایم ایس سی)

پہلا چڑیا گھر کیا تھا؟

... ۳۰ سال قبل ایک چینی شہنشاہ نے ذہانت پارک (Intelligence Park) نامی جگہ پر جانوروں کی مختلف اقسام اکٹھی کیں۔ اگر شہنشاہ نے یہ تمام جانور زندہ حالت میں اور ان کے بارہ میں مطالعہ کے لیئے اکٹھے کیئے ہوتے تو پھر تو یہ سب سے پہلا چڑیا گھر کہلاتا۔ کیونکہ چڑیا گھر میں وحشی جانور، پرندے اور رینگنے والے جانور لوگوں کے دیکھنے اور سائنسدانوں کے مطالعہ کے لیئے رکھے جاتے ہیں۔

بہت عرصہ قبل جانوروں کو گھروں میں پالنا ایک روایت بن گئی۔ جیسے جیسے دیہات اور قصبات بڑھے کچھ لوگوں نے ان جنگلی جانوروں کو اپنی املاک پر باڑوں میں بند کرکے رکھنا شروع کر دیا۔

اسی طرح شکار پر جانے کے لیئے ان کے پاس جانور میسر ہوتے۔ لوگوں کو تفریح مہیا کرنے کے لیئے جانور سدھائے جانے لگے۔ بعض لوگ اپنی امارت کا رعب ڈالنے کے لیئے جنگلی جانور جمع رکھتے۔ اور بعض اوقات اپنے آپ کو مقبول عام کرنے کے لیئے لوگوں کو ان پارکوں میں آنے کی اجازت دیتے۔

نویں صدی میں یورپ میں عام چڑیا گھر موجود تھے۔ اگلے سات آٹھ سو سالوں میں چھوٹے بڑے کئی ایک شہروں میں مزید چڑیا گھر بنائے گئے۔

دنیا کے بڑے چڑیا گھروں میں امریکہ کا کیلیفورنیا SAN DIEGO ZOO، انگلینڈ کا لندن زو LONDON ZOO اور جرمنی کا WEST BERLIN ZOO شامل ہیں۔ جانوروں کو چڑیا گھروں میں مقید کرنا بعض لوگوں کے نزدیک متنازعہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک ظالمانہ فعل ہے۔

اتھلیٹکس کیسے شروع ہوئیں؟

اگر پیچھے نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ اتھلیٹکس کا آغاز مذہب کے ساتھ ہی ہوا۔ قدیم انسان اپنے خداؤں کی پوجا مختلف ناچ کے ذریعے کرتے تھے۔ یہ ڈانس (ناچ) دراصل لڑائی اور شکار کی نقل ہوتے تھے۔ بعد میں ناچ صرف خوشی و مسرت کے لیئے کیا جاتا جو کہ دراصل اتھلیٹکس کی شکل تھے۔

قدیم مصریوں میں اتھلیٹکس کی طرح کی کھیلیں ... ۴ سال قبل کھیلی جاتی تھیں لیکن ان کا آغاز جیسا کہ ہم جانتے ہیں یونانیوں کا مرہون منت ہے۔ یونانیوں کی سب سے پہلی مسلمہ اولمپک گیمز ۷۷۶ قبل مسیح میں منعقد ہوئیں۔

آجکل ہم سمجھتے ہیں کہ کھیلیں ہماری زندگیوں کا اہم حصہ ہیں۔ لیکن یہ یونانیوں کے نزدیک کس قدر اہم

تھیں۔ اس بات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا
ہے کہ ہر بچہ جب کہ ابھی وہ سکول میں ہی ہوتا تھا
اُسے دوڑنے، چھلانگ لگانے اور کشتی کرنے کی
تربیت دی جاتی -آدمی کو ادھیڑ عمر تک ایسی
سرگرمیوں میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہوتی تھی۔
یونانیوں کے نزدیک قابلِ تعریف بات یہ تھی کہ
صحتمند جسم کے ساتھ اچھا ذہن بھی ہو۔ چنانچہ ان کے
نزدیک صرف کھیلوں میں حصہ لینا ہی تعریف کے قابل
نہیں تھا اور نہ ہی وہ آدمی اچھے تھے جو کہ ذہین تو تھے
مگر کھیلوں میں حصہ نہ لیتے تھے بلکہ اُن میں کئی ایک پیشہ ور
ایتھلیٹ یعنی خاص طور پر باکسنگ اور کشتی کے کھلاڑی
موجود تھے۔

یونانیوں کے کئی ایک ایتھلیٹکس کے تہوار تھے
جن میں سب سے پُرانا اور سب سے اہم تہوار اولمپک
گیمز ہیں۔ خالص یونانی نسل سے تعلق رکھنے والے جوانوں
کو دس ماہ کی ٹریننگ کے بعد ان میں حصہ لینے کی
اجازت ہوتی تھی۔ پہلے پہل ان کھیلوں میں صرف دَوڑ
اور چھلانگ کے مقابلے ہوتے مگر بعد ازاں اس میں
کشتی، باکسنگ، ڈسکس اور جیولن تھرو اور ٹانگوں
کی دَوڑ کے مقابلہ جات شامل ہو گئے۔

پہلا پلاسٹک کب بنا؟

پلاسٹک بنانے کے لیئے کیمسٹ مالیکیول
استعمال کر کے لمبی چین (Chain) بناتا ہے جس کی
کڑیاں بھی مالیکیول ہوتے ہیں لیکن ان لمبی زنجیروں
کی خصوصیات اپنے مورث مالیکیول سے مختلف
ہوتی ہیں۔ یہ تمام عمل Polymerisation
(پولی مرائزیشن) کہلاتا ہے۔

۱۸۰۰ء کی دہائی میں کیمیا دانوں نے پلاسٹک تیار
کر لیا تھا۔ ونائیل کلورائیڈ کو ۱۸۳۸ء میں پولی مرائز
کر کے پی وی سی (Poly vinyl chloride
پولی ونائیل کلورائیڈ تیار کیا گیا ہے۔ جس کا استعمال
روزمرہ کے استعمال کے برتنوں اور پائپوں میں ہوتا
ہے۔ علاوہ ازیں ۱۸۳۹ء میں سٹائرین (Styrene)
۱۸۴۳ء میں acrylics اور ۱۸۴۷ء میں پولی ایسٹر
تیار کیا گیا۔ لیکن اُس وقت ان تمام چیزوں کی ضرورت
نہ تھی۔

۱۸۷۰ء میں جان ہائٹ (John Hyatt
اور اُس کے بھائی Isiah Hyatt نے ہاتھی
دانت کے نعم البدل کی تلاش میں سیلولائیڈ
(Celluloid) دریافت کیا۔ اس نئے، سخت،
آسانی سے ڈھلنے اور تشکیل پانے والے مادہ پر
کیمیکلز کا بہت کم اثر ہوتا تھا۔ اس ایجاد نے سائنس
دانوں کو اس میدان میں مزید تحقیق پر آمادہ کر دیا۔

۱۹۰۹ء میں بلجیم نژاد امریکی کیمسٹ Leo
Baekeland نے فینول فارمیلڈی ہائیڈ بنائی جو کہ
پہلا Thermo setting پلاسٹک تھا۔ یہ پلاسٹک کی
وہ قسم ہے جو ایک دفعہ گرم کیئے جانے پر دوبارہ استعمال
نہیں کی جا سکتی۔ یہ وہی میٹیریل ہے جسے عام زبان میں
Bakelite کہتے ہیں اور بجلی کے سوئچ وغیرہ بنانے کے
کام آتا ہے کیونکہ اس میں سے بجلی نہیں گزر سکتی۔
Bakeland دراصل لاکھ کے نعم البدل کی تلاش میں تھا۔
اسکی بجائے اس نے ایسا گاڑھا محلول تیار کر لیا جو گرم کیئے جانے پر
شکل ڈھال لیتا تھا اور عام محللات میں حل پذیر نہ تھا۔ یہ بیکے لائیٹ

سب سے پہلا مکمل اور بہت زیادہ مقدار میں تیار ہونے والا بیلا سٹک کہلاتا ہے۔

لفٹ کس نے ایجاد کی

لفٹ بنانے کا خیال کسی ایک ذہن کی پیداوار نہیں کیونکہ میکانی اصول بہت عرصہ قبل بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

قدیم مصر کے لوگ، پلیوں اور سادہ مشینوں کے ذریعہ بھاری چیزوں کو اٹھانے کا فن جانتے تھے ستر ھویں صدی میں ہوائی کرسی ایجاد کی۔ یہ اوزانوں اور پلیوں کے اصول پر کام کرتی تھی اور اسے لوگوں کو عمارتوں کی چھت پر پہنچانے کیلئے استعمال میں لایا جاتا تھا۔ کرسی اور مشینری دونوں عمارت کے باہر ہوتیں یہ ہوائی کرسی مقبول نہ ہوسکی۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں لفٹ پہلے سامان کو لانے لیجانے کے لیے استعمال ہورہی تھی اور ان کے لیے بھاپ کی توانائی استعمال کی جاتی تھی۔

لوگ اس بات سے گھبراتے تھے کہ اگر لفٹ کی رسی ٹوٹ جائے تو یہ نیچے گر کر تباہ ہو جائے گی۔ تب ELISHA OTIS نے اس حادثے سے محفوظ کرنے کے لیے ایک آلہ ایجاد کیا اور لفٹ مقبول ہو گئی۔ اسی اثناء میں لفٹ کو اوپر نیچے لیجانے کیلئے ہائیڈرالک پاور استعمال میں لائی جانے لگی۔

بجلی والی لفٹ جو کہ آجکل زیرِ استعمال ہے کو جرمنی کے ایک انجنیئر WERNER VON SIEMENS نے ترقی دی۔

بقیہ۔ توحیدِ حقیقی کا عملی اظہار .... از صفحہ ۳۶

دو جنتوں کا ذکر ہے ایک ان میں سے دنیا کی جنت ہے اور وہ نماز کی لذت ہے۔"
(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۵۳)

پھر فرمایا:۔

"انسان ہر وقت محتاج ہے کہ اُس سے اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے۔ اور اُس کے فضل کا اس سے خواستگار ہو کیونکہ اُس کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اے خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کر لیں۔"
(تفسیر سورۃ البقرہ صفحہ ۵۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں توحیدِ حقیقی کے اس بنیادی تقاضے اور عملی اظہار پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
کراچی میں
خالص اور معیاری زیورات کا مرکز
الرّحیم جیولرز
پروپرائٹر:۔ سیّد شوکت علی اینڈ سنز
پتہ:۔ خورشید کلاتھ مارکیٹ
حیدری نارتھ ناظم آباد کراچی
فون: ۶۲۹۴۴۳

MONTHLY **KHALID** RABWAH

Regd. No. L5830 Editor: KHALID MASOOD JULY AUGUST 1989